

رسولِ عربی

وَأَسْلَمْنَا
عَلَيْهِ
صَلَّى اللَّهُ

سیرتِ پاک

ایک سکھ مصنف کا پیغمبرِ اسلام کے حضور نذرانہ عقیدت

جی ایس ڈار
بہاولپور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

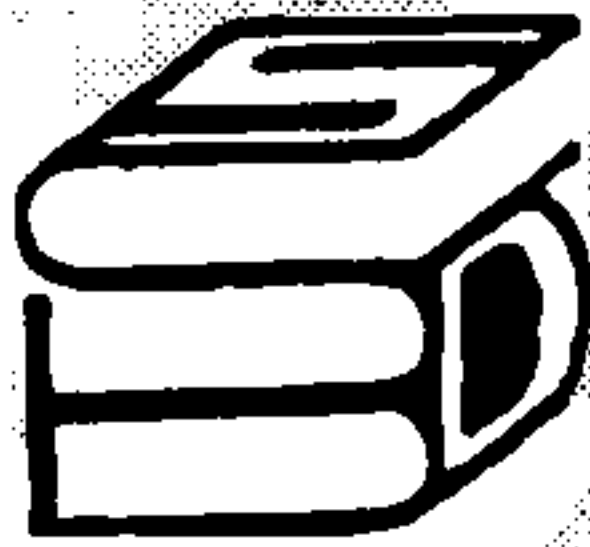
اور ہم نے آپ ﷺ کو سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے
(القران)

محمد

رسولِ عربیؐ

ایک سچے مصنف کا سرور کائنات حضورؐ کے حضور میں نذرانہ عقیدت

جی۔ ایس۔ وارا



شاہد پبلیکیشنز اینڈ بک سیلرز

Web site: www.shahidpublications.4t.com

E-mail: shahidpublications@hotmail.com

marfat.com

Marfat.com



زندہ کتاب کی علامت

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ضابطہ	
کتاب	رسول عربی ﷺ
مصنف	جی۔ ایس۔ دارا
ایڈیشن	اول
ناشر	شاہد پبلیکیشنز
کمپوزنگ	باقری علی
پرینٹنگ	خالد پرنٹرز
قیمت	99 روپے

شاہد پبلیکیشنز اینڈ بک سیلرز

64 اپرفلور چوہدری سینٹر ملتان روڈ لاہور

فون: 7419963 7419963 موبائل: 0300-9453568

marfat.com

Marfat.com

فہرست

12	حفیظ جالندھری	پیش لفظ
14	سید سلیمان ندوی	دیباچہ
16	مولانا عبد الماجد دریا بادی	ریویو
17	جی۔ ایس۔ دارا	تمہید
22	شیخ سر عبد القادر	تقریب
26		بکھور رسول عربی ﷺ

30

باب 1

آنحضرت ﷺ کی اوائل عمری
 آنحضرت ﷺ کے والدین
 صدائے غیب
 بچہ کو طواف کرانا

38

باب 2

امین و صادق
 حضرت خدیجہؓ
 خدیجہؓ کی ملازمت
 واقعات قبل از رسالت
 غلام زید کی رہائی
 سنگِ اسود

معرفت اور گیان کی لو
عالم میں اندھیر

48

باب 3

نزول وحی
خدیجہؓ مسلمہ اول

51

باب 4

اعلان نبوت
مشرکوں کی دھمکی
بزرگ کی رسالت پر گفتگو
آنحضرت ﷺ کا جواب
کفار کی منصوبہ بازی
آنحضرت ﷺ کے قتل کا منصوبہ

59

باب 5

عہد نامہ عدم تعلق

61

باب 6

ہجرت حبشہ
مشرکان کا تعاقب
مسلمانوں کا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونا
جعفرؓ کی معجزہ بیانی

67

باب 7

مشرکین کی چالبازیاں
نبی ﷺ اللہ کا طائف جانا
مطعم کی پناہ

72

باب 8

عمرؓ و حمزہؓ و طفیلؓ
قتل کا دوسرا منصوبہ
قتل کے لیے حلف اٹھانا
عمر کا اپنی بہن کو قتل کرنے کا قصد
بھائی بہن کی گفتگو
عمرؓ کا مشرف بہ اسلام ہونا
حمزہؓ کا مشرف بہ اسلام ہونا
سردار طفیلؓ کا ایمان لانا
طفیلؓ نے حضور ﷺ میں عرض کی کہ.....

84

باب 9

مصیبت پر مصیبت
خدیجہؓ کی رحلت
ابوطالب کی وفات
دعا بہ درگاہ مولیٰ

ہجرت مدینہ

جدید منصوبہ آنحضرت ﷺ کے قتل کا

غار کے منہ پر عنکبوت کا جالا

مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی آمد

آغاز اذان

سردار مدینہ

جنگ بدر

جنگ اقر

جنگ احد و جنگ خندق

سردار حارث کا حملہ کرنا

جنگ خندق

جنگ خیبر

114

باب 16

عہد نامہ حدیبیہ

شرائط نامہ

عمرة القضاء

خلاف ورزی شرائط نامہ حدیبیہ

119

باب 17

مکہ پر دھاوا

لشکر کا مکہ روانہ ہونا

ابوسفیان کا مسلمان ہونا

ابوسفیان کا واپس مکہ جانا

ابوسفیان کی بیوی

124

باب 18

فتح مکہ

پنجشنبری رحمت

ابوجہل کی بیٹے کو معافی

اپنی دختر کے قاتل کو معافی

شاعرز ہیر کو معافی

حبشی وحشی کو معافی

سردار ابوسفیان کی بیوی ہندہ کو معافی

معانی عام

129

باب 19

جنگ ہوازن
چھ ہزار غلام کی آزادی
حاتم طائی کی بیٹی

133

باب 20

جنگ موتہ

137

باب 21

رسالت و سفارت
امیر و غریب یکساں
شاہ غسان کا مسلمان ہونا
محمدی سفیر

141

باب 22

اشارہ رواغی
نزول آیات نسبت رواغی
الوداعی حج

144	باب 23	کیمی والا ﷺ
146	باب 24	تبلیغ حق افضل کلام
151	باب 25	وقت رحلت

پیش لفظ

پروفیسر دارا صاحب سے میری ملاقات لندن میں ہوئی۔ آپ نے مجھ سے اس کتاب کا ذکر کیا اور اس کو دوبارہ شائع کرنے کی آرزو ظاہر کی۔ بتایا کہ پہلی طباعت ختم ہو چکی ہے اور اس کا اب صرف ایک ہی نسخہ ان کے پاس موجود ہے، جس میں آپ نے اصلاح و اضافہ کیا اور مثنوی ہیں کہ کوئی صاحب نظر اس کتاب کو ناقدانہ نظر سے دیکھ لے۔

جیسا کہ انہوں نے اپنے دیباچہ میں ذکر کیا ہے۔ میں نے ان کو شیخ عبدالقادر صاحب قبلہ سے استمداد کا مشورہ دیا۔ لیکن اشاعت کی ذمہ داری خود لے لی اور وعدہ کیا کہ ہندوستان پہنچ کر ناشرین کتب میں سے کسی کو اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کے لیے کہوں گا اور کسی نہ کسی طرح اس کی اشاعت کا انتظام کرادوں گا۔ یہاں آکر میں نے بہت سے رومی قدر ”دوکانداروں“ سے بات چیت کی لیکن وہ صرف اس صورت میں کتاب کی اشاعت پر آمادہ ہوئے کہ حق تصنیف بھی ہمیشہ کے لیے ان کا ہو جائے لیکن یہ بات نہ دارا صاحب کے لیے موزوں تھی، نہ میں نے اس کو پسند کیا۔

اس دوران میں جنگ کی آفت آگئی اور کانڈگراں ہوتے ہوتے کیاب ہو گیا، لیکن مجھے نہ صرف وعدہ کا پاس تھا بلکہ ایک سکھ محبت رسول ﷺ کی تصنیف کو شائع کر کے حصول ثواب کا شوق بھی۔ نیز مسلمانوں کو بالخصوص اور دوسرے برادران وطن کو بالعموم اس مخلصانہ و شریفانہ جذبہ سے آگاہ کرنا چاہتا تھا، جو اس تصنیف کا محرک ہوا۔ شاید یہ باہمی رواداری کو تقویت دے۔

خدا کا شکر ہے کہ آج یہ کتاب شائع ہو رہی ہے۔ میں مجلس اردو کے کارکنوں کا شکر گزار ہوں کہ ان کے تعاون نے میرے لیے ”ایقائے وعدہ“ کا سامان کر دیا۔
مجھے امید ہے کہ اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ ذوق شوق سے پڑھا جائے گا اور اس سکھ بزرگوار کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھا جائے گا، جس نے ہمارے آقا و مولاً سے اس طرح اظہار محبت کیا ہے جیسا کہ ایک مسلمان کو کرنا چاہیے۔

خاکسار

حفیظ جالندھری

۲۸ نومبر ۱۹۴۱ء

دیباچہ

اشاعت اول

(از سید سلیمان ندوی۔ اعظم گڑھ)

اس کتاب کے مصنف جی ایس دارا، بی ایل، بیرسٹریٹ لاء (لاہور) سے لندن میں ملنے جلنے کا اکثر اتفاق ہوا۔ ان کی بے تعصبی اور توحید پرستی دیکھ کر دل بہت خوش ہوا کہ اگر ہندوستان کے مختلف فرقوں میں ایسی انسانیت و محبت کے چند افراد پیدا ہو جائیں تو ابنائے ہند کی باہمی الفت کی دیوار اس قدر مستحکم ہو جائے کہ باہر کے دشمن اس کو کبھی توڑ نہ سکیں۔

دارا صاحب نے پیغمبر اسلام ﷺ کی سوانح عمری بڑی بے نفسی اور بے تعصبی کے رنگ میں لکھی ہے۔ کتاب کے حرف حرف سے عشق و محبت کے آب کوثر کی بوندیں نکلتی ہیں اور معلوم ہوتا کہ لکھنے والے کا قلم کس جوش و خروش کے دریا میں بہتا جا رہا ہے۔ میں نے اس کتاب کو شروع سے اخیر تک پڑھا اور ایک رواں کتاب کی حیثیت سے اس کو پسند کیا۔ ممکن تھا کہ یہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے اس سے زیادہ بلند پایہء پر لکھی جاسکتی، لیکن یہ ناممکن تھا کہ کوئی نامسلم اس سے زیادہ خلوص و عقیدت کی نذر دربار رسالت میں پیش کر سکتا۔ اور یہی اس کتاب کی بہترین خصوصیت ہے۔ اگر الفاظ اور طریقہ تعبیر میں کہیں کہیں غلطی ہو تو مفہوم و معنی پر نظر اور مصنف کے حسن نیت پر گمان نیک رکھنا چاہیے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین ﷺ کے صدقے ہندوستان کے مختلف مذہبی فرقوں میں اتحاد و یکجہتی کی لہر پیدا کر دے اور ہر

ایک کو دوسرے کے رہنماؤں اور راہبروں کی عزت و توقیر کی توفیق عطا فرمائے۔

سید سلیمان ندوی

مسلم ڈیلی گیٹیشن، لنڈن ہال نیشن، لنڈن

ریویو اخبار ہمدرد وہلی

(از مولانا عبد الماجد مصنف تصوف اسلام، پیام دین، فلسفہ جذبات و نیر و)

خاک ہند سے مذہبی مصلحین و پیشوا پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ان میں ایک ممتاز نام گرو نانک کا ہے، جن کی تعلیم صلح و آشتی کی تعلیم اور جن کی تبلیغ عشق و محبت کی تبلیغ تھی..... مسٹر جی۔ ایس۔ دارا اسی درد آشنا و محبت شعار قوم (سکھ) کے ایک قابل فخر رکن ہیں۔ ان کا نام اب تک لندن کے ایک انگریزی رسالہ ہند (انڈیا) کے ایڈیٹر کی حیثیت سے معروف تھا، لیکن اب معلوم ہوا کہ ان کا کعبہ کعبہ لندن نہیں کعبہ حجاز ہے ان کی آنکھیں برقی جگمگاہٹ سے نہیں روح کی نورانیت سے منور ہو رہی ہیں۔ رسول عربی ﷺ اس مختصر و جامع رسالہ کا نام ہے، جو دارا صاحب کے تخم محبت کا ثمر اولین ہے اس میں سرور عالم ﷺ کے حالات حیات مبارکہ شروع سے آخر تک اس انداز سے جمع کر دیئے گئے ہیں کہ اکثر مقامات پر ایک مسلمان کو بھی اس خلوص نیاز پر رشک آنے لگتا ہے۔

تمہید

(از مصنف)

میرے والد بزرگوار نے ۱۸۵۷ء میں سرکار انگریزی کی ملازمت اختیار کی ۱۸۹۴ء میں عہدہ تحصیلداری سے پنشن پر آئے۔ اسی ۳۷ سال کے تجربہ کا ذکر اذکار جب کبھی ان کی زبان سے میں نے سنا، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ رشوت و تعصب کا زور ہر جگہ ہی موجود تھا۔ میں خود ۱۸ سال کی عمر میں نائب تحصیلدار کی حیثیت سے ملازم ہوا۔ دس سال کئی ایک اسامیوں پر تعینات رہ کر آخر ملازمت سے سبکدوشی اختیار کی۔ ترک ملازمت کی اصل وجہ بھی رشوت اور تعصب کے بھوت تھے جن سے بہت دیر تک میں جدوجہد کرتا رہا۔ آخر ہار کر میدان چھوڑا اور بھاگ نکلا۔

جنگ یورپ کے ایام میں رخصت (قبل از استعفی) لے کر ۱۹۱۴ء میں انگلینڈ آیا۔ یہاں سے آئیر لینڈ گیا اور وہاں سے پیرس شری کر کے واپس وطن چلا گیا۔ ۲۰-۱۹۱۹ء میں پھر لندن کا رخ کیا۔ یہاں پہنچ کر رسالہ ”ہند (انڈیا)“ شروع کیا، جس کی ایڈیٹری میں مجھے اب انیسواں سال ہونے کو آیا ہے۔

خیال تھا کہ قومی کام کی منزل اگرچہ کٹھن تو بڑی ہوگی لیکن کم از کم اتنا تو ہوگا کہ یہ راستہ تعصب کے کانٹوں سے صاف ہوگا۔ مگر یہ بھی ایک خیال خام ثابت ہوا۔ اکثر راہنمایان قوم کے اندرونی رویے اور بیرونی گفتگو میں نے بڑا بھاری تفاوت پایا۔ ہندو مسلم تنازعات تو میں نے بکثرت دیکھے سنے تھے، مگر اندرونی ریشہ دوانیاں جو جانہیں مے راہنمایان

ایک دوسرے کے خلاف کیا کرتے تھے ان کا علم مجھے لاہور سے بھی کہیں بڑھ کر یہاں لندن میں ہوا۔ یہاں تک کہ بعض ذمہ دار ہندو رہنماؤں کو میں نے اپنے کانوں پر یہ کتبہ بنا کر ”سکھ ایک احمق فرقہ ہے“ تمسخر اور توہین کے کلمات سکھوں کے گوروں کے خلاف بھی یہی شنید میں آئے، جہاں جہاں میں نے مناسب سمجھا، ان کی گفتگو کا جواب کھرا کھرا ان کو منہ پر دیا اور ان کا خمیازہ اٹھایا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی شان کے خلاف اس نوع کی کہانیاں اور من گھڑت قصے میں نے سنے کہ جس کے سننے سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ اغلب ہے کہ دوسری جانب سے بھی ہندو رشیوں، منیوں اور بھگتوں کے خلاف بھی اسی طرح کے ذہکو سلے مروج ہوں مگر مجھے ایسی گفتگو کے سننے کا موقع نہ مل سکتا تھا۔

اس طرح کے واقعات کوئی پانچ دس دفعہ نہیں بلکہ سینکڑوں مرتبہ مجھے اپنی اوائل عمر سے اس وقت تک (اب میری عمر ساٹھ سال ہے) سننے میں آئے ہوں گے۔ سیاسی پہلو کو بالائے طاق رکھ کر بلکہ مذہب پر علمی اور عقلی بحث کو چھوڑ کر یہاں تک کہ مخالف فریق کے اپنے نقائص اور عیوب کو بھی نظر انداز کر کے اس کے مذہب کے بانی پر ذاتی حملہ کرنے کو اتر آنا، یہ ایک ایسا شیوہ ہے کہ جس کی نظیر شاید ہی کسی اور گری ہوئی قوم میں ملے تو ملے۔

فساد اور عناد کی آگ جس کے شعلے آج لاہور سے لکھنؤ، لکھنؤ سے کلکتہ اور کلکتہ سے کراچی اور بمبئی تک پھیل چکے ہیں، وہ ان ہی حملوں سے سلگتی ہے، جو گوروں، پیروں اور پیغمبروں کی ذات پر کئے جاتے ہیں اور جن کی ابتداء بالعموم بعض قومی ”راہنمایان“ کے اشارہ یا عندیہ سے ہوا کرتی ہے۔

دل کے پھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کے حالات پڑھوں اور جو جو باتیں میں نے سنی ہیں، ان کی تصدیق یا تردید کی جستجو کروں۔ پہلی دفعہ جب میں نے اس مضمون پر ایک کتاب دیکھی تو اس کے پڑھنے سے مجھے از حد دلچسپی پیدا ہوئی۔ جوں جوں میرا مطالعہ بڑھتا گیا، اتنی ہی آنحضرتؐ کی عظمت میرے دل میں بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ میرے دل میں ایک آرزو پیدا ہو گئی کہ میں ان سب خیالات کو ایک جگہ اکٹھا کروں، طرح طرح کی کتابوں کے مطالعہ نے جو میں نے اس مضمون پر پڑھی تھیں۔ میرے عالم خیال میں ایک پھلوری سی پیدا کر دی۔ پنجابی، ہندی، اردو، فارسی، عربی کے پھول جہاں جہاں سے مجھے دستیاب ہوئے میں نے اپنے گلدستہ کے لیے چن لیے اور نام اس کا ”رسول عربی ﷺ“ رکھ کر قوم کی خدمت میں نذر کیا۔

قریباً بیس سال ہوئے، جب میں لاہور سے لندن آ رہا تھا، تو مسودہ اول اس کتاب کا میرے پاس تیار موجود تھا، جیسے جیسے مجھے یہاں وقت ملتا رہا۔ میں اس میں کچھ ترمیم تغیر کرتا رہا۔ حسن اتفاق سے جب جناب سید سلیمان ندوی خلافت ڈیلیگیشن کے ہمراہ انگلینڈ تشریف لائے، تو انہوں نے اس کا ملاحظہ فرمایا اور اس کا دیباچہ لکھ کر مجھے شرف عزت بخشا۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے وہ مسودہ ہندوستان روانہ کیا اور اس کی پہلی اشاعت نکلی۔ اب نظر ثانی کر کے اس کی جدید اشاعت کی تجویز درپیش ہے، جن احباب نے گزشتہ دس گیارہ سالوں میں اس کتاب کو پڑھا، ان سے چند ایک نے مجھے اپنی رائے سے مطلع بھی کیا۔ ان میں اکثر تو وہ تھے جنہوں نے مجھ پر کرم فرمائی کی اور میری محنت کی تعریف فرمائی۔ اس کے لیے مجھے دل سے یہاں ان کی شکرگزاری کا اظہار کرنا ہے۔

دوسری طرف وہ اصحاب تھے جن کو میری تحریر سے اتفاق نہ تھا یا مجھ سے کسی اور وجہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ لہذا ان کا ذکر کرنا بھی یہاں بے محل نہ ہوگا۔

مسودہ میں کیا تھا۔ اب بھی وہی ہے اور اسی پر قائم ہوں۔

گزشتہ سال حفیظ جانندھری صاحب حسن اتفاق سے انگلینڈ میں رونق افروز تھے۔ ان کی خوش کلامی اور خوش الحانی نے لندن کے جنگل میں لاہور کا منگل بنا دکھایا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان سے ذکر کیا کہ میں ”رسول عربی ﷺ“ پر نظر ثانی کرنا چاہتا ہوں اور جو وقتیں حاصل تھیں ان کا اظہار بھی کیا۔ وہ کہنے لگے۔ ”گنگا تمہارے گھر میں ہے اور اس پر بھی یہ تفکرات“ جناب شیخ سر عبدالقادر کا دروازہ اور ادھر کی بہتی ہوئی گنگا مجھے دکھا دی اور خود واپس وطن چلتے ہوئے۔

جناب شیخ کی خدمت میں میں نے اپنی آرزو ظاہر کی اور ساتھ ہی ”یار ان ایس زمانہ مثل گل اناراند“ والا قصہ اور ”آپ بیٹی“ کہانی بھی کہہ سنائی۔ آپ نے سر پرستی کا وعدہ فرمایا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی جانب سے اگر متواتر جو صلہ افزائی نہ ہوتی رہتی تو یہ کام اب پھر ادھورا ہی رہ چلا تھا۔ تکمیل کار کی خوشی تو ہر کارکن کو ہوا کرتی ہے۔ مگر میری خوش نصیبی اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کام کے سبب آپ سے ملاقات کے مواقع بکثرت ملے اور طبیعت کو دلی وابستگی آپ سے پیدا ہو گئی۔

آں دل کہ رم نمودے از خو برو جواناں

درینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

خادم قوم جی۔ ایس۔ دارا

۷ مارچ ۱۹۳۹ء

تقریب

(از آنریبل شیخ سر عبدالقادر صاحب ممبر انڈیا آفس لنڈن)

دس گیارہ برس ہوئے ایک کتاب بنام ”رسول عربی ﷺ“ انگلستان میں لکھی گئی اور ہندوستان میں چھپی تھی۔ اب دوبارہ چھپ رہی ہے۔ اس کے مصنف مسٹر جی۔ ایس۔ دارا صاحب پیر سٹراٹ لاء ایڈوکیٹ ہائی کورٹ پنجاب کے ایک معزز اور علم دوست سگھ گھرانے سے ہیں۔ ان کو جو سچی ارادت اپنے بزرگ گرو بابانا تک جی سے ہے، غالباً وہی اس کتاب کے لکھنے کی محرک ہوئی ہوگی۔ گرو نانک جی شمع توحید کے پروانے تھے اور پیغمبر ﷺ کے پیغام کی دل سے قدر کرتے تھے۔

مسٹر دارا کوئی بیس سال سے انگلستان میں مقیم ہیں اور انگریزی میں اخبار نویس کرتے ہیں۔ ان کا ایک رسالہ ”انڈیا“ نامی نکلتا ہے، جسے انہوں نے بڑی محنت اور بہت ایثار کے ساتھ جاری رکھا ہے۔ انہیں ہندوستان کی آزادی کی تحریک سے زیادہ تعلق رہا ہے۔ وہ کانگریس کے بہت سے اصولوں کے موافق ہیں، مگر بہت سی باتوں میں خاص کر طریق کار میں وہ کبھی کبھی اس سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ وہ سکھ مذہب کے ماننے والے ہیں اور ہندوؤں کے بھی ہمدرد ہیں اور مسلمانوں کے بھی دوست ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان قوموں کے باہمی تعلقات دوستانہ رہیں، اس آزاد روش کے سبب ان کو بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ جن کا انہوں نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔

دارا صاحب جب پنجاب میں اپنی تعلیم سے فارغ ہوئے تو انہوں نے گورنمنٹ

کے محکمہ مال میں ملازمت اختیار کی۔ ان کے والد تحصیلدار تھے اور ان کی اپنی ملازمت نائب تحصیلداری سے شروع ہوئی، مگر ان کی طبع آزاد پسند ملازمت کا بارودیر تک برداشت نہ کر سکی۔ اگر یہ معمولی طور پر اپنے محکمہ میں رہتے تو اب تک کسی بڑے عہدہ تک پہنچ کر اور اچھی پنشن پا کر خانہ نشین ہوتے۔ کیونکہ اب ان کی عمر ساٹھ سال کے قریب ہے لیکن مسٹر دارا نے نوکری چھوڑ دی اور بیرسٹری کا قصد کیا۔ ۱۹۱۴ء میں انگلستان آئے اور یہاں سے آئرلینڈ میں گئے تاکہ ڈبلن سے بیرسٹری پاس کریں۔ ۱۹۱۷ء میں کامیاب ہو کر وطن کو واپس گئے اور لاہور ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ ہو گئے۔ تجربہ نے بتایا کہ وکالت کے لیے بھی، جسے وہ آزاد پیشہ سمجھتے تھے اور لوگ بھی جسے مقابلتاً آزاد سمجھتے ہیں، کئی ایسی پابندیاں ہیں جیسی ملازمت میں ہیں۔ اس وقت جوانی میں سیاسی خدمت کے شوق کا بھی غلبہ تھا۔ انہوں نے وکالت کا خیال ترک کر کے انگلستان میں آکر اپنا انگریزی رسالہ جاری کر دیا۔ مالی اعتبار سے اس میں ہمیشہ نقصان رہا مگر یہ اس کو چلاتے رہے۔

دارا صاحب نہایت درویشانہ اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے کبھی کبھی کچھ ہندوستانی کھانا پکا لیتے ہیں کبھی کبھی کسی ارزاں ہوٹل میں کھانا کھا لیتے ہیں۔ ایک کمرہ رہنے کو ہے، اسی میں لکھنا پڑھنا، اسی میں سونا، اسی میں کوئی ملنے کو آئے تو اسے مل لینا۔ اخبارات بکثرت پڑھتے ہیں اور ان میں موجود جو مضمون اپنے کام کا ہو، اس کا تراشہ کاٹ کر رکھ لیتے ہیں۔ انگریزی میں ہندوستان کی موجودہ سیاسیات پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ مگر وہ دیر سے ان کی مشکل پسند طبیعت کی کٹھالی میں صاف کی جا رہی ہے۔ اگر اس کٹھالی سے نکل آئی تو امید ہے کہ کام کی چیز ہوگی۔

یہ وہ شخص ہے کہ جسے خیال آیا کہ حضرت محمدؐ کے حالات لکھے اور اس محبت کا اظہار کرے جو اسے آنحضرتؐ کی ذات بابرکات سے ہے اس نے اپنی عقیدت کے پھول بارگاہ

رسالت پر چڑھائے ہیں اور غالباً قبول ہوئے ہوں گے۔ یہ نذرانہ دو بارہ پیش کرنے کا موقع انہیں مل رہا ہے۔ جب یہ کتاب پہلے شائع ہوئی، تو مولانا سید سلیمان نے اسے پسند کیا تھا اور اس کے لیے ایک مختصر سادہ سا دیباچہ لکھا تھا، جو اب طبع ثانی کے ساتھ بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس اشاعت میں دارا صاحب نے خود بھی ایک تمہیدی مضمون لکھا ہے، جس میں بتایا ہے کہ انہیں کس طرح آنحضرتؐ کے حالات پڑھنے کا شوق ہوا اور اس مطالعہ کا ان پر کیا اثر ہوا۔ ان کے بعض مسلمان دوستوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس کتاب کو پھر چھپائیں میں نے بھی اس تجویز کی تائید کی۔

اس زمانے میں جب بعض کوتاہ اندیش لوگ ایک دوسرے کے مذہبی پیشواؤں کی تعظیم کرنے کے بجائے ان پر ناجائز اور نامناسب حملے کرتے ہیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر قوم کے دور اندیش اور وسیع خیال صاحبان دوسری قوم کے واجب تعظیم بزرگوں کی خوبیوں کا اعتراف کریں اور اپنے بھائیوں کو ان سے آگاہ کریں۔ خود مسلمانوں نے لیے ایسی کتاب کی اشاعت اس لیے خاص دلچسپی رکھتی ہے کہ ان کی محبت اپنے پیغمبر ﷺ سے اور مضبوط ہوتی ہے، جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے بھی ان کے احسانات کو مانتے ہیں۔ فطرت انسانی کے اس جذبہ کو غالب نے کس خوبی سے بیان کیا ہے

سب رقیبوں سے ہوں نا خوش، پر زمان مصر سے
ہے زلیخا خوش، کہ محو ماہ کنعاں ہو گئیں

میں بھی اپنے دوست دارا صاحب سے خوش ہوں کہ وہ ”ماہ عرب“ کی تعریف میں ہم نوا ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے بہت سے مسلمان بھائی بھی ان کی انصاف پسندی

اور عقیدت مندی کی دادویں گے۔

(ازلندن)

عبدالقادر

۲۶ مارچ ۱۹۳۹ء

بکھور

رسول عربی ﷺ

ایک صاحب آیا، جس نے جلوہ حق دکھایا، جس کسی نے اسے پریم کی آنکھوں سے دیکھا، اس کی تمنائے زندگی پوری ہوگئی، جس کی نگاہ شوق اس پر پڑی، اسے منہ مائی مرادیں ملی۔ جس بشر کو اس من موہن نے اپنا درشن دیا، اس کے جنم بھر کا پاپ کٹ گیا۔

آناں کہ خاک را بہ نظر کیما کنند آیا بود کہ گوشہ چشمے بمانند

اے عرب، کیا ہی عجب ہوں گے تیرے بھاگ، جو تو نے نور خدا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کیا ہی اچھے ہوں گے تیرے بخت جو تو نے حبیب خدا ﷺ کے اپنی آنکھوں سے درشن کیے۔

اے ولایت عرب! اے بن اور بیابان کے باس، اے درندوں، چرندوں کی بھوم، اے چوروں ڈاکوؤں کے ماوا۔ اے رہزنوں اور لیٹروں کے مسکن۔ اے اجڈ گنواروں کے ٹھکانے۔ اے ازلی بادہ نوشوں کے خم خانے۔ اے وحشی عرب! تجھ میں بھرے تھے دنیا کے بدکار اور جگت کے مکار۔ نام نہاد کے انسان۔ مگر کرتوت کے شیطان۔ سچ ہے

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

فسادوں میں کتنا تھا ان کا زمانہ ہر اک لوٹ اٹھتا تھا بیگانہ

تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے

درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

(وہ جو خاک کو ایک نظر سے کیما بنا دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ ہم پر بھی نظر التفات فرمائیں)

اے سرزمین عرب، آج وہ دن ہے کہ تیرا نام و روزبان جہاں ہے اور خلق خدا تیرا

ذکر خیر کرتی ہے، کون آنکھ ہے، جو تیرے درشن کو نہیں ترستی، وہ کون دل ہے، جو تیری دید کی تمنا نہیں رکھتا وہ کون ملک ہے، جس نے تیرے شاہ کا سکہ نہیں مانا اور وہ کون فرمانروا ہے جس نے تیری حشمت اور دبدبہ کو نہیں جانا۔ اے خطہ عرب تو نے اب پرانا جامہ اتارا، تو نے نیا اوتار دھارا، اے عرب تو نے نیا جنم پایا کیونکہ تجھے رسول خدا ﷺ ہاتھ آیا۔ اے عرب! رب کے رنگ نیارے ہیں، داتا جسے چاہے دے دے، ورنہ تیرے ہاتھ آئے یہ دولت محمدی! تجھے نصیب ہو یہ جمال احمدی!

اے ہمالہ کی بلند چوٹیو، تم ہی کچھ کہو! سینکڑوں رشیوں نے تمہاری شفقت اور پیار کی گود میں نو اس کیے، صد ہا جوگیوں نے تمہارے پہلوئے محبت میں جوگ کمائے، ہزاروں تپیشروں نے تمہاری آغوش الفت میں تپ دھارے، لاکھوں گوروں سدھوں نے تمہارے ہاں چرن کنول ڈالے۔

اے کوہ ہمالہ! مگر سچ کہنا، کہیں دیکھا ہے تو نے وہ مکہ کا راج دلاراء، کہیں نظر پڑا ہے تجھے بھی وہ مدینہ کا پیارا۔

اے تاجدار عرب ﷺ سنتے ہیں۔ تیرے چہب عجب موسیٰ تھی اور تیرا روپ انوپ تھا۔ اے دلدار عرب ﷺ! کہتے ہیں تیری پریت کی جوت جس من میں جگی۔ وہ بجھائے نہ بجھی جس آنکھ پر تیری نگاہ پڑی۔ وہ پھر تیری ہی ہو رہی۔

چشم رحمت بکشا سوائے من انداز نظر	اے قریشی لقی ہاشمی و مطلبی
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم	اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بواجبی
نسبے نیست بذات تو بنی آدم را	بہتر از عالم و آدم تو چہ انالی نسبی
نسبت خود بسکت کردم و بس منفعلم	زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شدت بے ادبی
ذات پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور	زاں جب آمدہ قرآن بزین عربی

نخل بستان مدینہ ز تو سر سبز مدام ز اں شدہ شہرہ آفاق بشیریں رطبی
 بردر فیض تو استادہ بصد عجزہ و نیاز رومی و طوسی و ہندی یعنی و حبیبی
 ماہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات لطف فرما کہ ز حد می زرد تشنہ لبی
 شب معراج عروج تو ز افلاک گزشت بہ مقامے کہ رسیدی نرسد پنج نبی
 سید انت حبیبی و طبیب قلبی
 آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

ترجمہ:

- 1: اے قریشی ہاشمی اور مطلبی لقب پانے والے اپنی رحمت کی آنکھ کھول اور مجھ پر نظر فرما۔
- 2: میں دل سے تہی وجود تیرا حسن دیکھ کر ورطہ حیرت میں پڑ گیا ہوں۔ اللہ اللہ! کیا حسن و جمال ہے کہ حیرت کی دسترس میں بھی نہیں۔
- 3: بنی نوع انسان کو بڑی عظمت سے کوئی نسبت نہیں ہے کس قدر اعلیٰ نسب ہے بلکہ آدم اور جمعی عالم سے برتر و فائق ہے۔
- 4: میں نے اپنی نسبت آپ کے کتے کے ساتھ کی ہے۔ میں از حد شرم سار ہوں اس لیے کہ خود کو تیرے کتے سے منسوب کرنے سے سوئے ادب کا ارتکاب ہوا ہے۔
- 5: تیری ذات پاک نے اس ملک عرب میں ورود فرمایا۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل فرمایا۔
- 6: آپ کی ذات لطیف کی وجہ سے مدینہ کا گلستان سدا ہرا بھرا ہے۔ اسی لیے اس کی شرعی لذت زمانے بھر میں مشہور ہیں۔
- 7: آپ کے آستانہ فیض پر رومی، طوسی، ہندی، یعنی اور حلی ادب و انکسار کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔

8: ہمارے ہونٹ تو پیاسے ہیں اور آپ آب حیات ہیں۔ کرم فرمائیے کہ: ناری پیاس حد سے گزرتی جا رہی ہے۔

9: معراج کی رات آپ کا ارتقائی مقام افلاک سے بھی بلند ہو گیا۔ اس مقام تک بلند ہوا کہ جہاں کوئی نبی نہیں پہنچ سکا۔

10: اے میرے سردار، میرے محبوب اور دل کے حکیم، قدسی آپ کے آستانے پر بغرض علاج حاضر ہوا ہے۔

باب 1

آنحضرتؐ کی اوائل عمری

عرب میں ہر قبیلہ کے لوگ جدا جدا رہا کرتے تھے، ملک ریگستان تھا اور علاقہ پہاڑی بھاری قصبہ یا شہر ہونا تو درکنار، بڑی آبادی ہی ایک جگہ ہونی محال تھی، جہاں تھوڑا بہت پانی نظر آیا، سبزہ نے منہ دکھایا، وہیں بیٹھ گئے اور خیمے ڈیرے ڈال دیئے، اسی جگہ اپنا ٹھکانا بنا لیا۔ یہی روش مکہ والوں کی تھی اور یہی رویہ گردونواح کے لوگوں کا تھا۔

مکہ میں کوئی راج راجہ نہ تھا، بڑے بڑے قبیلوں سے دس آدمی چن لیے جاتے تھے، وہی راجہ بنتی کا کام کرتے تھے اور انہی لوگوں میں سے خانہ کعبہ کے متولی بھی ہوا کرتے تھے، مدتوں یہی عمل در آمد رہا اسی طریق پر وہ لوگ کار بند رہے۔

ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا کہ غنیم نے باہر سے آکر مکہ پر ایک زبردست دھاوا کیا، آنحضرتؐ کے پردادا نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور ایسا جان توڑ کر لڑے کہ دشمن کو شکست فاش ہوئی اور اسے بھاگتے ہی بنی۔ اس نمایاں کام کے صلہ میں لوگوں نے اس بزرگ کو سردار مکہ مقرر کر دیا اور یہ عہدہ سرداری میراث میں دے دیا۔

آنحضرتؐ کے والدین

آنحضرتؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی عمر کا چوبیسواں سال تھا، جب بی بی آمنہؓ

سے ان کی مناکحت ہوئی۔ آغاز مسرت ہوا ہی تھا کہ اختتام خوشی بھی ساتھ ہی شروع ہو گیا۔
 ایک لخت کوہِ گمِ آمنہ کے سر پہ آٹوٹا، عبداللہ تجارت کے لیے سفر کو گئے تھے، واپسی پر جب مدینہ
 پہنچے تو بیمار ہو گئے، پیغامِ اجل آپہنچا، اور روح پرواز کر گئی، ابھی عمر کا پچیسواں سال بھی ختم نہ
 ہونے پایا تھا، کہ قضا و قدر نے آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ بی بی آمنہؓ کا نخل مراد ابھی بارور
 ہوا ہی تھا کہ یہ باغبانِ چمنِ عالم سے رخصت ہو گیا۔ عبداللہ کو وہ نونہال دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا،
 جسے جگت کونہال کرنا تھا۔

جورنج و صدمہ شوہر کی وفات سے بی بی کے دل پر گزرا اس کا تو کیا ٹھکانا، مگر
 آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب کی جو جانکاہ حالت تھی، وہ تو حد بیان سے باہر ہے، ادھر سو سال
 کی عمر، ادھر سب سے چھوٹے لختِ جگر اور سب سے پیارے سپوت کا عینِ عالمِ شباب میں
 رحلت کر جانا، خدا امان دے اور دشمن کو بھی اس صدمہ سے محفوظ رکھے۔

بزرگ عبدالمطلب بیٹے کے دردِ وفات سے بے بس و بے قرار ہو جاتے اور بار بار
 یہی کلمہ زبان پر لاتے۔

اے راحتِ جان کیا میں نے تجھے اسی لیے پالا پوسا تھا کہ تو خود تو چل بے اور اس
 بڑھاپے میں دکھڑوں کا ورثہ باپ کے لیے چھوڑتا جائے۔ اے اجل! جو تو نے میرے دن اس
 دنیا پر کاٹ دیئے ہوتے تو میں آج اس عذابِ زندگی سے بچ گیا ہوتا۔

صدائے غیب

ادھر بیکسی اور بے بسی کا یہ عالم تھا، ادھر فرشتہ غیب ندا دے رہا تھا۔

کہ اے ہمت کے بیٹے! اور حوصلہ کے پست! اس وسعتِ خیال کے میدان میں تو
 اس تنگ خیالی سے کام نہ لے اور عقل کی باگ ہاتھ سے نہ دے، جس نصیب سے تو بہرہ ور
 ہے، اس کی تجھے کیا خبر، بھگوان نے جو بھاگ تیرے لیے لکھے ہیں، ان کا تجھے کیا علم۔ کہاں

ہے تیرا دھیان اور تو ہے کس سوچ میں، ذرا ہوش کی لے اور عقل کی آنکھ کھول جس پر ہمیں کون
 کے پریم نگر میں اپنی چھب دکھلانی ہے، وہ ابھی تیری آنکھوں الفت میں آکر نہیں بیٹھا جس شمع و
 اپنی اچبہ روشنی سے عرب کا اندھیرا اجالا کر دینا ہے، وہ ابھی روشن نہیں ہوئی جس چندرما و
 بھارت میں چودھویں کا چاند بن کر چمکنا ہے۔ وہ ابھی نہیں نکلا، جس مہر انور کو اپنے نور سے نام
 کو بقعہ نور بنا دینا ہے، وہ ابھی نمودار نہیں ہوا، جس موذن کی آواز کو عرب کے کھنڈروں سے نکل
 کر ہمالہ کی چوٹیوں پر جا گونجنا ہے، وہ ابھی منبر پر نہیں چڑھا، جس نامور و تیرا نامانی شہر یہ شہر
 رشک عالم بنانا ہے وہ شہرہ آفاق ابھی تیرے ہاں پیدا نہیں ہوا۔

ابھی یہ الفاظ اس فرشتہ کی زبان ہی پر تھے کس

یکا یک ہوئی غیرت حق کو حرکت بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت

ادا خاک بطنانے کی وہ ودیعت چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئی پہلے آمنہ سے ہویدا

دعائے خلیل و نوید مسیحا

سورہ بقرہ کے رکوع پندرہ میں رقم ہے کہ حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی کہ۔۔۔۔۔

اے خدا! مکہ والوں میں ایک نبی انہیں میں سے بھیج، ایسا ہی سورہ صف

کے پہلے رکوع میں بھی مندرج ہے اور انجیل یوحنا کے سولہویں باب میں بھی مرقوم ہے کہ

حضرت عیسیٰ نے اپنی قوم کو بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا۔ نام اس کا احمد ہوگا۔

آنحضرت نے خود بھی کہا ہے کہ میں اپنے دادا حضرت ابراہیم کی دعا اور اپنے بھائی عیسیٰ کی

بشارت ہوں۔

آخر وہ نیک ساعت آئی، جس کا اشارہ ہو چکا تھا۔ لگا وہ شبہ لگن جس کی نظر ایک خلق

خدا تھی۔ چڑھا وہ سورج بھگوان جس کی سنہری کرنوں سے مشرق میں جگمگ ہونے لگی۔ نکلا وہ

چودھویں کا چاند جس کی چاندنی سے مغرب کی تاریکی شعاع نور بن گئی۔ خدا کا نور ایک خالی پیرہن زیب تن کیے بزم عالم میں جلوہ گر ہوا۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

بی بی آمنہؓ کے ہاں پوت ہوا۔ پوت وہ سپوت کہ جس کی آمد سے عرش و فرش پر اس

کی مہمان نوازی ہونے لگی۔

بطحا کا باشی من موہن جب فرش پہ آیو آن میں

تب کا سے کہوں میں اے ری سکھی جو دھوم تھی کون و مکان میں

سب حور و ملائک جن و بشر ساتوں ہی فلک اور سارے نبی

تھی صل اعلیٰ کی دھوم مچی آتی تھی صدا یہی کان میں

صانع نے اپنی صنعت کے بارہا کرشمہ دکھائے۔ گونا گوں شمع رو بنائے اور عجیب و

غریب ماہ رو دکھلائے، مگر ذات حق نے اب کے وہ کان خوبی بتائی جہاں سے عالم بھر کے

خوباں نے اپنی اپنی ملاحت پائی۔

جب حسن ازل پردہ امکان میں آیا

ہر رنگ بہر رنگ ہر اک شان میں آیا

حرمت سے ملائک نے اسے سجدہ کیا ہے

جس وقت کہ وہ صورت میں انسان آیا

گل ہے وہی، سنبل ہے وہی، زگس حیران

اپنے ہی تماشہ کو گلستان میں آیا

قانون وہی ساز وہی طبلہ وہی ہے
 ہر تار میں بولا وہ ، ہر اک تان میں آیا
 اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن
 مذکور یہی آیت قرآن میں آیا

جب پوتے کی پیدائش کی خبر بزرگ عبدالمطلب نے سنی تو مارے خوشی کے مسرت
 کے آنسو ان کی آنکھوں سے بہ نکلے۔ بیٹے کی جدائی کا زخم پوتے کی ولادت کے مرہم سے بھر
 گیا، غم کی جگہ مسرت نے لی اور دل میں امنگوں اور آرزوؤں نے ہجوم کیا۔

اس خوشی میں دادوانے جگہ جگہ مجلسیں کیں، مگر گھر جشن کیے، پن دان دیئے بوز سے
 دادا کو اپنا مرحوم بیٹا بھر دو بارہ نظر آتے دکھان کے لیے تو گویا عبد اللہ نے از سر نو جنم لیا۔ انہیں کیا
 معلوم تھا کہ یہ اس مرحور کا ثلث تے جنم لیا ہے، جس کے نام کا ڈنکا چاروں اطراف عالم میں
 بجے گا، اور جس کا جھنڈا میدان ہستی پر اتنی مضبوطی سے گڑے گا کہ نہ اسے مشرق کی ہوا گرا سکے
 گی اور نہ مغرب کی تیز تند آمد ہی حزنزل کر سکے گی۔ ادھر ماں کی یہ کیفیت تھی کہ کہاں تو
 ہر وقت دامن آنسوؤں سے بھر رہا تھا۔ اٹختے بیٹھے جاگتے سوتے آہیں بھرا کرتی تھی اور کہاں
 اب یہ عالم کہ ہر غم میل بیداحت ہو گیا۔ دنیا سے از سر نو ہشتگی پیدا ہو گئی اور عالم سے ٹوٹا ہوا
 رشتہ بھر بندھ گیا۔

وہ احمد رضی اللہ عنہ جس کی آمد کی بشارت بی بی ابی آحنہ کو فرشتہ نے خواب میں دی تھی۔ اب
 وہ نور مجسم بن کر آنکھوں کے سامنے تھا۔ بھولی پیاری ننھی سی صورت، جس کسی نے اس کے لب
 لعلین و چشم چادور کیے۔ حیرت حسن کے سکتے میں رہ گیا۔

اے چہرہ زیبائے تو رشک تان آذری

ہر چند و صفت می کنم در حسن زان بالا تری
 تو از پری چابکتری وز برگ گل نازک تری
 وز ہرچہ گویم بہتری حقا عجائب طبری
 آفاق ہا گردیدہ ام مہربان و زیدہ ام
 بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چہرے دگرگی
 تا نقش می بند فلک کس راندادہ امی تمک
 حوری نہ دانم یا ملک فرزند آدمی یا پری
 ہر گز نیاید در نظر صورت زوریت خوہتر
 شمشعی ندانم یا قمر یا زہرہ یا مشتری

ترجمہ:

- 1: اے کہ! آپ کا چہرہ آذر کے بتوں کے لیے باعث رشک ہے۔ میں جس قدر بھی آپ کے حسن کی تعریف کرتا ہوں آپ کا حسن اس سے بھی بلند تر ہے۔
- 2: تو پری سے زیادہ شوخ و شوگ ہے اور پھول کی پتی سے زیادہ نازک۔ میں جو کچھ بھی آپ کی مدح میں کہوں وہ کم ہے۔ خدا کی قسم آپ تو عجیب ترین محبوب ہیں۔
- 3: میں نے ایک عالم کی سیر کی ہے اور کئی محبوبوں سے اظہار محبت کیا ہے۔ میں نے بے شمار حسین دیکھے لیکن تو سب سے منفرد ہے۔
- 4: آسمان کیسے نقاشی کرے۔ کسی کو بھی وہ رنگ نہیں دیا گیا۔ آپ کوئی حور ہیں، فرشتہ ہیں، فرزند آدم ہیں یا پری۔
- 5: میری نظر میں کوئی ایسی صورت نہیں جو آپ سے حسین تر ہو۔ نہ سورج ایسا ہے۔ نہ چاند نہ زہرہ کو ایسا سمجھتا ہوں نہ مشتری کو۔

بچہ کو طواف کرانا۔۔۔۔۔

عرب کے رسم و رواج کے مطابق بزرگ عبدالمطلب پوتے کو طواف کے لیے خانہ کعبہ میں لے گئے۔ حرم محترم میں پہنچ کر انہوں نے حسب معمول سلوں پتھروں کو سجدہ کیا اور بتوں کے سامنے سر جھکایا اور ان کے حضور دعا مانگی کہ اے بتو، میرا بخت خفتہ بیدار ہوا۔ میرا بھولا بھٹکا نصیب پا اور ہوا جو میرے بیٹے کے گھر بیٹا ہوا۔ اے مندر کی مور تو میرے بچہ کو زندگی بخشو اور اس کی عمر دراز کیجیو۔

وائے حسرت! عبدالمطلب کی بھلا وہ کہاں آنکھ جو وہ یہ دیکھ سکتے کہ میرے بچہ کے دست قدرت میں تو ان بتوں کی مرگ دوام ہے۔ وہ توبت پرستی کا خاتمہ کر دے گا میں بھلا اس بتکدہ میں یہ کیا دعا مانگ رہا ہوں او اس صنم خانہ میں دست بدعا کس سے ہو رہا ہوں مگر وہ ایک سو سال کا بڑھا بزرگ۔ اس کی تمام عمر گزری مورتی پوجن میں اس نے سینکڑوں پجاریوں کو ان کی پوجا کرتے اور جاتریوں کو ان کی آستین چومتے تو دیکھا، مگر یہ نہ دیکھ سکا کہ بھلا ان سے تسکین قلب کسی کو بھی ہوئی، پھر بھی اس کا اعتقاد کامل تھا کہ جو کچھ ملے گا ان ہی کے در سے اور جب کبھی بگڑی بنے گی تو ان ہی کی جناب سے۔ لیکن کون اس بزرگوار کو سمجھاتا کہ اس کے لات و ہل محض اینٹ اور پتھر ہیں اور اگر کوئی سمجھتا بھی تو کب کسی کی سنتا۔ اس نے وہی کچھ کیا جو اس کے آباؤ اجداد پشت ہاپشت سے کرتے چلے آتے تھے۔ آخر بت پرست بزرگ اس بت شکن بچہ کو طواف کرا کر اور خود بتوں کے سامنے دعا مانگ کر گھرواپس لے آیا۔ کتبہ قبیلہ کو اکٹھا کیا۔ راگ رنگ کی محفل رچائی اور دھوم دھام سے خوشی منائی۔ بچہ کا نام نامی اسم گرامی محمد رکھا گیا۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیے

یہ پیارا بچہ اپنی دودھ پلائی ماں حلیمہؓ کے ساتھ قریباً چار سال رہا۔ اس کے بعد ابھی تقریباً دو ہی سال اس نے اپنے گھر اپنی ماں کے ساتھ گزارے تھے کہ قضا و قدر نے پردہ مفارقت درمیان میں حائل کر دیا۔ ماں کے نصیب میں یہ لکھا نہ تھا کہ وہ اپنی محبت کے پودے کو پھولتا پھلتا دیکھتی۔ بی بی آمنہؓ راہی ملک عدم ہو گئی۔ اور چھ سال کا بچہ پیچھے چھوڑ گئیں۔

تھوڑا عرصہ ہی گزرنے پایا تھا کہ ایک نئی آفت سر پر آ پڑی۔ ماں کی وفات کے بعد اس یتیم بچے کو صرف دادا کا آسرا رہ گیا تھا۔ اب وہ بھی چل بسے اور محمد آٹھ سال کا یتیم بچہ یکہ و تنہا رہ گیا۔ لاچار تو ماں کی موت نے ہی کر دیا تھا۔ اب دادا کی رحلت نے بالکل ہی عاجز کر دیا۔ مرضی مولیٰ! شریف گھرانے کا لڑکا اور شریف مکہ کا پوتا آن کی آن میں بیکس و بے خانماں ہو گیا۔

مگر یہاں ایک راز الہی پنہاں تھا۔ قدرت کو یہ منظور تھا کہ اس یتیم بچے کو وہ منصب عطا کرے جس کے سر انجام دینے کے لیے ذاتی تجربے، صبر و تحمل اور قوت برداشت کی غیر معمولی ضرورت تھی۔ اس لیے قدرت نے اسے دنیا میں یکہ و تنہا چھوڑ دیا تاکہ وہ ہر آنے والی مصیبت کو پچشم خود دیکھ سکے دکھ درد کو سمجھ سکے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ زمین عرب کا یہ لاچار بیکس یتیم، مفلسوں اور یتیموں کا والی اور ہر دکھ ہر درد کا درمان بنا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

وہ اپنے پرانے کا غم کھانے والا

فقیروں کا طبیب ضعیفوں کا ماویٰ

یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

باب 2

امین و صادق

اب آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ جو اس یتیم بچے کی پرورش کرتا۔ ظاہر ہے ماں باپ کے سوا کون کسی کو پالتا ہے۔ لیکن قدرت خداوندی اس معصوم کی پرورش کا انتظام اس طرح کرتی ہے کہ آپ کے چچا ابو طالب جو ایک بڑے کتبہ پرور شخص تھے آگے بڑھے اور انہوں نے پرورش اپنے ذمہ لی۔ پالا پوسا اور اپنے ساتھ تجارتی کاروبار میں بھی شریک کر لیا۔ ایام طفولیت سے لے کر قریباً پچیس برس کی عمر تک چچا۔ پختہ تجارتی شراکت میں تجارت کا کام کرتے رہے۔ آپ نے اپنی صداقت و سچائی اور خوش معاملگی سے کاروبار میں بڑی شہرت حاصل کی۔ یہاں تک کہ لوگ آپ کو ”امین“ اور ”صادق“ کے خطاب سے مخاطب کرنے لگے۔ تجارت اور صداقت ہر دو ضدین ہیں ان کا ساتھ ساتھ نبھانا گویا آگ اور پانی کو ملانا ہے۔ تجارت وہ پیشہ ہے کہ جس کے اشتیاق کی آگنی کو اگر حسد و حرص کے بھوت ساتھ ساتھ دھونکتے نہ جائیں۔ تو بیخ پیار کا بازار آنا فنا ٹھنڈا ہو جائے۔ خواہ کوئی کتنی ہی جنس بے بہا کیوں نہ رکھے، جب تک اسے دھوکے کا رنگ نہ دے اور اسے فریب کے شیشے میں نہ اتارے بھلا کوئی گاہک کیونکر پھنسنے، جس جگہ میں محبت کا معیار زرا اور پریت کی پرکھ پیسنہ ہو گیا وہاں مال و متاع کے خریداروں کی دلداری بھلا بجز ریاکاری کس طرح ہوگی جس جگہ میں حرص و ہوس کا اس قدر زور ہو محبت کا عالمگیر قحط ہو وہاں مکر و فریب سے دور بھاگنا، راستی پر چلنا، جھوٹ سے کنارہ کرنا اور ”صادق“ و

”امین“ کہلاتا یہ کس کا کام ہے!

پھر سچ بولنا کس روئے زمین پر؟ عرب کے اندھیرے میں، جہاں نہ عقل کی روشنی نہ تمیز کا اجالا جسے دیکھو اندر باہر سے کالا جہاں لوگ ہر برے فن میں ماہر ہوں اور ہر سیاہ ہنر میں طاق، وہاں راسی برتا اپنا ہی منہ کالا کرتا ہے، ایسے بد کرداروں میں نیکو کار ہو کر رہنا یہ کس کا کام ہے!

پھر سچ بولنا کس عمر میں، جب سن ہو چوبیس پچیس، عین جوانی اور اندھی مستانی، اس وقت جوانی کی امنگیں اور شباب کے ولولے اپنی دھن میں بشر کو ایسا اندھا اور بے لگام بنا دیتے ہیں کہ وہ دائیں بائیں نگاہ تک نہیں کرتا کہ کہاں ہے راہ راست اور کدھر ہے کجروی۔ اسے خبط ہوتا ہے تو بس اک اپنے خیال سے کہ جس طرح بھی ہو، خبط پورا ہو، جھوٹ موٹ جو بھی بن آئے بناؤ۔ مگر اپنا جنون نبھاؤ، جوانی ایک بری بلا ہے۔ جوانی کے ندی نالہ جب طغیانی پر آجائیں تو بڑے بڑے گنی پنڈتوں اور دھرم وان کبیشروں کو ان کے سبھی گیان گوشت سمیت آگے بہالے جائیں۔ جوانی کے اس عالم میں صادق القول کہلاتا بشر کے مقدور سے باہر ہے اور انسان کی طاقت سے بعید مگر یہاں حقیقت ہی کچھ اور ہے۔

آؤ لوگو، دیکھو طلسم حق ہے۔ اے آنکھوں والو۔ دیکھو ”تربیت کے سلسلہ کو درہم برہم نہ کرو اور نرنکار کے نور کو اجسام خاک میں نہ ملاؤ“ آؤ لوگو۔ اس ”امین“ کو دیکھو۔ یہ امن روپ ہے۔ یہ سندر سروپ ہے، اے کانوں والو، آؤ، اس ”صادق“ کو سنو، یہ قرآن ہے، یہ صداقت کا پیغام ہے۔

حضرت خدیجہؓ

ان دنوں مکہ میں ایک بیوہ بڑے شریف خاندان کی رہا کرتی تھیں۔ ان کا نام خدیجہ تھا۔ عمر تقریباً چالیس برس کی تھی ان کے پاس مال و اسباب اور سامان تجارت کی کافی بہتات

تھی۔ انہیں ضرورت تھی ایک ایسے لائق منتظم کی جو کاروبار کو خوش اسلوبی سے سنبھال سکے۔ ان کے کانوں تک بھی آپ کی تعریف و توصیف پہنچی کہ ایک نوجوان محمد نامی بڑا ہونہار ہے۔ قول کا سچا اور زبان کا پورا ہے۔ لقب اس کا ”امین“ اور خطاب اس کا ”صادق“ ہے۔ خدیجہ کہنے لگی کہ اگر آدمی میرے ہاتھ آجائے تو میرا بھی بگڑا کام بن جائے۔

خدیجہ نے آپ کو پیغام بھیجا کہ اگر تم میری ملازمت اختیار کر لو اور میرے کام کو دیانتداری کے ساتھ چلاؤ تو میں تمہیں اس آمدنی سے دوچند دیا کروں گی جو اب تمہیں ہوا کرتی ہے مجھے دیانت دار اور راست گفتار آدمی کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر تم میرے مال کو اپنا مال سمجھو اور میرے نقصان کو اپنا نقصان تو پھر جو حق خدمت بھی تم مانگو، مجھے دینے میں دریغ نہ ہوگا۔

خدیجہ کی ملازمت

جب آپ کو پیغام ملا تو آپ نے اپنے چچا سے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ جو خدمت صداقت و دیانتداری کے نام پر پیش کی جائے اسے قبول کر لینا چاہیے۔ چنانچہ خدیجہ کے کاروبار میں چلے گئے اور ان کے کام کاج کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ابھی تک تو خدیجہ نے سنی تعریف پر آپ کو بلوایا تھا اور کام آپ کے سپرد کر دیا تھا۔ اب اپنی آنکھوں دیکھا کہ محمد کونہ دکھلاوے سے غرض ہے نہ نمود و نمائش سے کام نہ انہیں دن کو چین ہے نہ رات کو آرام۔ بس انہیں ایک ہی دھن ہے صداقت اور سچائی کی اور ایک ہی خیال ہے اپنے فرض کی ادائیگی کا۔

جب بی بی خدیجہ کو محمد کی صداقت و دیانتداری اور حسن انتظام کا پوری طرح یقین ہو گیا اور تجارتی کاروبار میں خاصی ترقی ہونے لگی تو ایک دن محمد کی غیر معمولی اور ہمہ گیر خوبیوں سے متاثر ہو کر خدیجہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ ایسا شخص جو تجارتی دنیا کی ٹھن و دشوار

گزار گھاٹیوں میں بھی صداقت و سچائی کا دامن نہیں چھوڑتا یقیناً غیر معمولی انسان ہے اگر یہ رفیق کار ہونے کے ساتھ ساتھ میرا رفیق حیات ہونا بھی قبول کر لے تو زہے نصیب رفتہ رفتہ یہ خیال بی بی خدیجہؓ کے دل میں جگہ حاصل کرنے لگا لیکن ان کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ اپنی درخواست پیش کریں۔ بالآخر انہوں نے ایک معتبر قاصد کے ذریعہ اپنا پیغام اس پیکر صداقت و امانت کی خدمت میں بھجوایا اور نکاح کی تمنا ظاہر کی۔ اس وقت تک آپؐ کو خدیجہؓ کی تجارتی ذمہ داریاں لیے ہوئے کافی دن گزر چکے تھے اور اس اثناء میں انہیں خدیجہؓ کی حق شناسی و طبعی سعادت کے مطالعہ کا پورا موقع مل چکا تھا۔ لیکن پھر بھی انہوں نے کوئی فوری فیصلہ نہیں کیا۔ اپنے بزرگ چچا ابوطالب کو خدیجہؓ کے اس پیغام سے واسطاً مطلع کیا۔ خود بھی غور فکر کیا۔ چچا نے اپنی رضامندی ظاہر کی۔ اس کے بعد آپؐ نے شادی کو منظور فرمایا اور آپؐ کا خدیجہؓ کے پیش کردہ پیغام شادی کو منظور کرنا ان عام بشری خواہشات کی بنا پر نہ تھا جو ہم انسانوں کی دنیا میں اکثر و بیشتر پایا جاتا ہے کیونکہ اس وقت خدیجہؓ کی وہ صاف اور ستھری فطرت اور وہ حق شناسی و راست پسندی تھی جس نے محمدؐ کی رفاقت کا شرف حاصل کر لیا۔

خدیجہؓ ایک نہایت ہی معاملہ فہم خاتون تھیں اور حد درجہ وفا شعار۔ انہوں نے اپنا تن من دھن سبھی کچھ اپنے پیارے میاں پر قربان کر دیا اور کسی چیز کو بھی دنیا میں ان سے عزیز نہ سمجھا۔ آپؐ کو آسودہ حال بنایا۔ آپؐ کی دشمنوں سے جان بچائی۔ آپؐ کی نبوت پر سب سے اول ایمان لائیں۔ نکاح کے بعد پندرہ برس تک زندہ رہیں اور اپنے دھرم پتی سے اس طرح پریم پریت کی زندگی نباہی کہ وفاداری اور جاں نثاری کا نقش آپؐ کے دل پر ہمیشہ قائم رہا جسے نہ تو وقت ہی ہٹا سکا، نہ کسی کارشک ہی مٹا سکا۔ آپؐ خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب کبھی انہیں یاد کرتے تو آہ سرد بھرتے، ایک دفعہ جو آپؐ نے ان کی یاد میں ٹھنڈا سانس بھرا تو عائشہ جو آپؐ کی ایک حسین اور نوجوان بیوی تھیں کہنے لگیں کہ اے رسول اللہ ﷺ کیا

خدیجہؓ بوڑھی نہ تھیں۔ اور اللہ نے آپؐ کو اس بجائے بہتر عورت نہیں عطا کی، آپ نے فرمایا، ”جب میں غریب تھا تو اس نے مجھ سے شادی کر کے آسودہ حال بنایا، جب مجھے سب لوگ جھوٹا کہتے تھے تو اس نے مجھے سچا جانا، جب کل عرب میرے خلاف تھا، تو اس نے میرا ساتھ دیا۔“

واقعات قبل از رسالت

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، جس شخص کو پیغمبری کی مسند پر بیٹھنا تھا۔ اور جس پر وحی نازل ہونی تھی۔ اس کی زندگی کے واقعات قبل از نزول وحی خود ہی ایک قوی شہادت اس امر کی دے رہے تھے کہ یہ بشر عوام الناس سے نہیں ہے۔ یہ انسان کسی اور ہی طبقہ سے ہے۔ واقعات صریحاً جتلا رہے تھے کہ اس کے اقبال کے ستارہ کو کس عرش بریں پہ جا کے چمکنا ہے اور اس کے جلال کی شمع کو کس محفل کا سنگار بننا ہے۔

غلام زید کی رہائی

ایک شخص زید نامی غلام خدیجہؓ کے بھتیجے کے پاس رہا کرتا تھا، اس نے خدیجہؓ کو بطور تحفہ یہ غلام نذر کر دیا تھا۔ آپ ﷺ کی نگاہ جو اس غلام کی غلامی پر پڑتی، تو غیرت انسانی کی ایک لہری دل میں جوش مارتی، طرح طرح کے خیالات دل میں پیدا ہو جاتے اور کئی قسم کے ارادے دل میں اٹھ کھڑے ہوتے، آخر آپؐ نے ایک دن اسے خدیجہؓ سے مانگ ہی لیا اور از روئے بندہ پروری اس بندہ خدا کو آزاد کر دیا، خدا کی شان، وہ بندگی اس بندہ کو ایسی بھاگنی تھی کہ اس نے مخلصی پا کر بھی اپنے آقا کا دروازہ نہ چھوڑا۔

محبت پر آپ فریفتے تھے اور وفا پر فدا، اس وفاداری نے زید کی قدر و قیمت آپ کی نگاہ میں اور بھی زیادہ کر دی۔

قدر زر زرگر شناسد، قدر جوہر جوہری
قدر گل بلبلی شناسد قدر عنبر را علی

ترجمہ:

1: سونے کی قدر سنا رہا جانتا ہے اور جواہرات کی جوہری۔ پھول کا مقام بلبلی سمجھتی ہے اور منبر کا علی۔

آپ نے اپنے ہی خاندان میں زید کی شادی کا انتظام بھی کر دیا۔ کہاں وہ کل کا غلام، کہاں اسے آج برابر کا بھائی بند بنا سامنے بٹھالیا۔ اس فرشتہ خصلت کا یہ وہ کرشمہ تھا کہ جس کی نظیر اس زمانہ کی تاریخ میں کسی جگہ نہ ملے گی۔

بھلا کون برداشت کر سکتا ہے کہ اس کا غلام اس کے پہلو پہ پہلو آ بیٹھے اور غلام بھی اس زمرہ کا جس کی حیات و موت اس کے مالک کی تابع مرضی ہو جہاں مالک نے چاہا اپنے غلام کو چھڑ بھٹل کی طرح کچل دیا اور کیڑے مکوڑے کی طرح پاؤں تلے روند دیا۔

ایسے بے کس بندہ پر عرب کے اندھے اندھیرے میں رحم کرنا اور ترس کھانا اور پھر اپنے خاندان میں ہی غلام کی شادی کر کے اس بندہ نوازی کو بدرجہ برابر پیچھانا بشر کے مقدور سے دور ہے۔ یہ غلام پروری اسی بندہ پرور کے لیے ہی مخصوص تھی، جس کو رسالت کی عدالت پر بیٹھنا تھا، یہ عدالت گستری وہی کر سکتا تھا، جس کو حق نے حق پہنچانے کو بھیجا تھا کہ وہ انسان انسان میں کوئی امتیاز نہ رکھے اور خالق کی سب مخلوق کو یکساں جانے۔

سنگِ اسود۔۔۔۔۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کی عمارت کی از سر نو تعمیر درپیش تھی۔۔۔ ایک کنبہ یہ عزت اپنے لیے چاہتا تھا کہ وہ خود سنگِ اسود اٹھا کر اس جگہ پر لے جائے رکھے۔ بحث مباحثہ اس بات پر بہت ہوا، مگر نتیجہ بجز فساد کچھ نہ نکلا، آخر ان لوگوں نے یہ تجویز ٹھہرائی کہ یہ معاملہ تقدیر پر رہنے دو اور جو شخص کل صبح دم سب سے اول خانہ کعبہ کے دروازے میں داخل ہو اس کے فیصلہ پر یہ معاملہ چھوڑ دو، خدا کی شان سب سے اول جو شخص وہاں سے نرے، وہ آپ کی ذات بابرکات تھی چنانچہ یہ ٹالشی آپ پر چھوڑ دی گئی۔ آپ نے کہا ایسا کرو کہ ایک چادر بچھا دو، اس پر میں خود سنگِ اسود رکھ دیتا ہوں، تم اپنے اپنے قبیلہ سے ایک ایک آدمی انتخاب کر لو۔ یہ سب چاروں کنارے چادر کے پکڑ لیں اور جہاں اسے لے جا کر رکھنا ہے وہاں لے چلیں۔ اس جگہ میں چادر سے اٹھا کر اسے اوپر رکھ دوں گا۔ یہ فیصلہ چونکہ ٹالشی تھا۔ سب کے دل کو بھا گیا عدل اور انصاف کے ترازو میں تلے ہوئے ایسے فیصلہ جات اور اس رام رنگ میں رنگے ہوئے کہ عجیب و غریب حالات ایک سمجھدار کی سمجھ کو تو گرداب فکر کے ایسے تلاطم میں لیے جا رہے تھے کہ وہ ششدر و حیران ہوا جاتا تھا کہ عالم کی ہوا کس رخ چل رہی ہے اور یہ ناخدا اپنی ناؤ کس جانب لیے جا رہا ہے۔

معرفت اور گیان کی لو

آپ کی طبیعت میں لڑکپن ہی سے یہ بات موجود تھی کہ آپ کافی دور آبادی سے تنہائی میں جا بیٹھتے اور من بچار کرتے رہتے، بالعموم غارِ حرا میں آپ کا جانا ہوا کرتا تھا، یہ غار

مکہ سے خاصی دور ایک سنسان سی جگہ واقع تھی تقریباً سارا ماہ رمضان کا آپؐ خلوت میں اس غار میں بسر کیا کرتے تھے اور آنکھیں بند کیئے دل کے دروازے کھولے بیٹھے رہتے تھے جوں جوں وقت گزرتا گیا دل کی گہرائی اور طبیعت کی بلندی بھی ساتھ ساتھ زیادہ ہوتی گئی، طرح طرح کے خیالات آپؐ کے دل میں اٹھتے۔ کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں؟ کیا مقصد ہے میرا یہاں اور کہاں ہے میری منزل مقصود؟ یہ پرند، یہ چرند اور انسان، حیوان، یہ گل و گلزار اور اشجار و انہار ہیں کس کے؟ کوئی آخر مالک بھی تو ہے ان کا، یہ کھیل کس نے ہے بنائی اور یہ رام لیلیا کس نے رچائی؟ آخر ان کعبہ کی مورتیوں کو یہ طاقت کہاں کہ یہ بے جان بت نظام دنیا کا سنبھالیں، نہ ان سل کے پتھروں کی یہ طاقت کہ یہ عنان عالم ہاتھ میں لیں۔ تو پھر ہے کس صانع کی یہ صنعت سازی اور کس کی کلک قدرت کی ہے یہ قلم کاری؟ اہو اے طباقوں میں یہ تحریک کس کے اشارہ سے ہے؟ اور اس جل تھل پانی میں یہ حرکت کس کے ایما سے ہے؟ آخر کوئی فرمانروا اس مملکت کا ہوگا، مگر وہ کدھر ہے؟ مجھے کیوں نظر نہیں آتا؟ اور میرے من کی ترشنا نہیں بجاتا؟ یہ بھڑک دل کی دن دوئی رات چوگنی ہوتی چلی گئی اور سوچ بچار کے منائے نہ مٹ سکی۔ ہر فکر کا غواص جو عقل کے سمندر میں غوطہ لگاتا تو بجائے درتلی بیسیوں تفکرات اور ساتھ لے آتا۔

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
 پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
 اور کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے
 یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں

نخزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
 تمکن زلف عنبریں کیوں ہے
 نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے

عالم میں اندھیر

ادھر طبیعت جواتنی اونچی پرواز کر رہی تھی، جب ذرا نچلے عالم پر کہیں نگاہ؛ الٹی تو دنیا سے ایک ایسے راجا کی پر جا دکھائی دیتی، جسے رعیت کی خوشحالی اور خلق کی فارغ البالی سے کچھ سروکار نہیں ہوتا، کوئی لڑے، بھڑے، جئے، مرے کسی کی بلا سے، ہر طرف ریاکاری کا بازار گرم نظر آتا اور بدکاری کی اجناس رونق پر، لپے، غندے کی تو ہر طرف پوچھ پر تیت، بھلے پرش کی کوئی پرش نہیں، جو ایک کوثر سے کام ہے تو دوسرا کوئی فتنہ پر تلا ہے، کوئی فساد پر آمادہ، کوئی گدا گر بھوک سے لاچار ایک نوالہ روٹی کے لیے جان سے لاچار ہوا چلا رہا ہے۔ زرداروں میں سے تو کسی کو اس کا درد نہیں، جو کوئی مکار ریاکار مفلس کا مال چھین دنیا کی دولت لوٹ اپنے انبار بھرتا چلا جا رہا ہے تو کسی حاکم کو اس کی فکر نہیں۔ یہ خیالات ایسے دامنگیر ہوئے کہ آپ کی طبیعت بارہا یہی حجت پیدا کرتی کہ کون ہے فرمانرواے عالم اور کہاں ہے اس جگت کا پرت پالن؟ یہاں راج ہے تو کام کرودھ کا، یہاں ڈنکے بجے ہے تو لو بھ موہ ہنکار کا۔ یہ کیا چنار چا ہے! آخر اور یہ کیا کھیل ہے کرتار کا!

ایں چہ شوریت کہ در دور قمری پنم
 ہمہ آفاق پر از فتنہ و شری پنم
 اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان

طوق زریں ہمہ در گردن خرمی پنم
 بیچ شفقت نہ برادر بہ برادر دارد
 بیچ مہرے نہ پدر را بہ پسر می پنم
 دختران را ہمہ جنگ است و جدل با مادر
 پسران را ہمہ بدخواہ پدری پنم

ترجمہ:

- 1: یہ کیا ہنگامہ ہے کہ میں چاند کو گردش میں دیکھ رہا ہوں۔ پوری کائنات فتنہ و فساد سے بھری پڑی ہے
- 2: اعلیٰ نسل کے گھوڑے بوجھ تلے پس رہے ہیں اور گدھوں کی گردنوں میں سونے کی زنجیریں پڑی ہیں۔
- 3: بھائی کو بھائی سے کوئی محبت نہیں رہی اور باپ کو بیٹے سے کوئی شفقت نہیں رہی۔
- 4: بیٹیاں ہر وقت ماں سے لڑ جھگڑ رہی ہیں اور بیٹے باپ کے خلاف بدخواہی کے جذبات رکھتے ہیں۔

باب 3 نزول وحی

آخر ان سوالات کے جوابات کا وقت بھی آپہنچا اب ہر ساعت من کے بیان میں کٹنے لگی اور ہر گھڑی معرفت کے دھیان میں گزرنے لگی۔ الغرض ذات سے ذات مل گئی اور حق کے نور سے اندر لو ہو گئی۔

ہوئے محو عالم سے آثار ظلمت
کہ طالع ہوا ماہ برج سعادت
نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدت
کہ تھا ابر میں ماہتاب رسالت
یہ چالیسویں سال لطفِ خدا سے
کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے

ایک دن حسب معمول آپ غارِ حرا میں بیٹھے سوچ میں محو تھے کہ ناگاہ ایک آواز غیب سے آئی کہ ”اے محمد پڑھ“ آپ نے جو نبی آواز سنی گھبرا اٹھے کہ یہاں نہ آدم نہ آدم زاد، یہ کیا ماجرا ہے، مدتوں میں یہاں آتا رہا، ایسا واقعہ کبھی پہلے پیش نہیں آیا۔ آپ ابھی اسی خیال میں تھے کہ دوبارہ ندا آئی کہ ”اے محمد پڑھ“۔ اس پر آپ نے کہا میں کیسے پڑھوں، میں امی ہوں، مجھے پڑھنا نہیں آتا۔

اتنے میں پھر آواز آئی کہ۔۔۔۔۔

پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جو خالق ہے جس نے جسے ہوئے خون سے انسان
جیسی پُر حکمت مخلوق پیدا کی۔ پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جو بہت کرم کرنے والا ہے۔
جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھلایا جو وہ نہیں جانتا تھا“

ستارہ بدرشید و ماہ مجلس شد
دل رمیدہ مارا انیس و مونس شد
نگار من کہ بملکب زلفت و خط نوشت
بغمرہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

ترجمہ:

- 1: ستارہ چمکا اور مجلس کا چاند بن گیا۔ ہمارے غمزہ دل کے لیے مونس و غم خوار ہو گیا۔
- 2: میرا محبوب جو نہ کسی مکتب میں گیا اور نہ کچھ پڑھا لکھا۔ اس نے اپنے ایک اشارے سے
صد ہا ساتھ کے مسائل حل کر دیئے۔

نزول آیت ہونا ہی تھا کہ آپؐ کی طبیعت پر حیرت سی چھا گئی آپؐ نے نار سے نکل کر
فورا گھر کی راہ لی اور آپؐ جتنی اپنی چہیتی کو آسانی۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیا ساتھ لایا

خدیجہؓ مسلمہ اول

خدیجہؓ ایک مدت سے دیکھ رہی تھی کہ میرا شوہر شاہوں کی شوکت اور فرشتوں کی
خصلت رکھتا ہے، نہ اسے کوئی اور انسان آپؐ کے پایہ کا عرب میں نظر آتا تھا، نہ اس خوبی کا بشر

کہیں قرب و جوار میں۔ جونہی کہ اس نے غار کا واقعہ سنا فوراً ہی بات کو پاگنی اور کہنے لگی۔
 ”کہ اے میرے سر کے تاج، تجھے تاج سروری عالم مبارک ہو، فی اہمیت
 یہ وحی ہے، جو تجھ پر نازل ہوئی ہے، یہ پیغام الٰہی جبریل تیرے لیے آیا تو
 رسول خدا ہے تو نبی ہے، اور میں تجھ پر ایمان لاتی ہوں۔“

سبحان اللہ! وہ خدیجہؓ جس نے آپؐ پر اپنا زر و مال قربان کیا۔ وہ خدیجہؓ جس
 نے آپؐ کی صداقت و راست بازی سے متاثر ہو کر اپنا دل آپؐ کو نذرانے میں دیا۔ وہی
 خدیجہؓ آج اپنے باپ دادا کا دین بھی آپؐ پر نچھاور کیے جا رہی ہے۔ رفیق سے رفاقت ہو تو
 اس طرح کی اور دوست سے دلی صداقت ہو تو اس نوع کی، بھلا ایسے بے نظیر بشر سے بڑھ کر
 کون اس لائق تھا جو مسلم اول کا منصب پائے، چنانچہ خدائے برحق نے حق والے کو اس کا حق
 دیا اور حضرت خدیجہؓ کو مسلم اول کیا بھی تھوڑا ہی وقت گزرنے پایا تھا کہ حضرت خدیجہؓ کے
 چچا زاد بھائی ورقہؓ بھی ایمان لے آئے اور آپؐ کے چچا زاد بھائی علیؓ اور زیدؓ (ربائی یافتہ
 غام) بھی ایمان لائے۔ گھر کے ان آدمیوں کے ساتھ ہی حضرت ابو بکرؓ جو مکہ کے بہت عالی
 نظر آدمی اور آپؐ کے عزیز دوست تھے اسلام سے مشرف ہو گئے۔ یہ سب آپؐ کے ساتھ
 ویرانوں میں جاتے اور خلوت میں رحمان نام کا سمرن کیا کرتے۔ کچھ وقت تو اسی طرح گزرا
 اور چند ایک اشخاص اور بھی ساتھ شامل ہو گئے مگر تین برس کے عرصہ میں صرف تیرہ افراد ایسے
 نکلے، جن کی آنکھ کھلی اور جن کی نگاہ نور حق پر پڑی۔

باب 4

اعلان نبوت

آنحضرتؐ نے جب دیکھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ اس کام کو بر ملا کیا جائے اور پیغام حق ڈنکے کی چوٹ پر سنایا جاوے، تو آپؐ نے یہ تجویز کی کہ چالیس اشخاص کنبہ کنبہ سے اکٹھے کیے اور ان کو دعوت کے لیے بلایا اور اثناء گفتگو میں ان سے اپنی نبوت کا ذکر بھی کرنا چاہا مگر کسی نے توجہ نہ کی، نہ کسی نے رغبت ہی ظاہر کی بلکہ بعض بیہودوں نے تو اس معاملے کو ہی محض بیہودہ جانا۔ اسی محفل میں علیؑ بھی موجود تھے، ان سے نہ رہا گیا، وہ بول اٹھے اور کہنے لگے ”یا نبی اللہؐ“، اگرچہ سب سے خورد سال اس جماعت میں ہی ہوں اور مجھے بولنا بھی نہیں آتا، مگر میں یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ میں آپؐ کی منزلت خوب سمجھتا ہوں اور آپؐ کے کلام کی وقعت بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں، میں ہر طرح جیسا آپؐ کا ارشاد ہوگا، اس کے مطابق آپؐ کی خدمت بسر و چشم کرنے کو تیار ہوں۔“ سب کو ایک ادھیڑ عمر کے ان پڑھ (محمدؐ) اور ایک سولہ برس کے لڑکے (علیؑ) کا یہ فیصلہ کر لینا کہ وہ دونوں مل کر تمام دنیا کے خیالات کے خلاف کوشش کریں گے ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی اور لوگ قہقہہ لگا کر منتشر ہوئے مگر ان ہنسی کرنے والوں کو یہ کہاں علم تھا کہ وہ وقت بھی آنے والا ہے، جب ان ہنسنے والوں کی حماقت پر خود ایک آدھ آدمی نہیں بلکہ اک زمانہ ہنسنے گا۔

مشرکوں کی دھمکی

جوں جوں توحید کا اعلان آنحضرتؐ کرتے تھے اور اپنی نبوت کا اظہار کرتے تھے،

اتنی ہی مخالفت بڑھتی جاتی تھی۔ یہ لوگ خدا کا نام سنتے ہی آگ بگولا ہو جاتے اور جب بتوں کے خلاف کوئی کلمہ سن پاتے، تو پھر تو اپنے آپ سے باہر ہو جاتے۔ ایک دن چند ایک سرکردہ لوگوں نے مل کر آنحضرتؐ کے چچا سے جا کے شکایت کی، بلکہ طیش میں آ کے لعن طعن کی بوجھاز آپ پر باندھ دی، بزرگ ابوطالب سے یہ لوگ کہنے لگے، کہ تیرا مجتوں برادر زادہ اب کہتا پھرتا ہے کہ میں خدا کا پیغام لایا ہوں اور میں اس کا پیغمبر ہوں، کون ہے اس کا خدا اور کہاں کے یہ ہیں پیغام۔ اس کے دماغ میں کچھ خلل معلوم ہوتا ہے ہمارے بتوں کے خلاف جن کی پوجا پرستش ہم سب اور خود اس کے آباؤ اجداد آج تک کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ شخص زبان درازی کرتا ہے اور ان مورتیوں کو یہ برا بھلا کہتا ہے، ہم بھلا یہ کب گوارا کر سکتے ہیں، ہم تو صرف تمہاری خاطر اب تک چپ رہے ہیں، اگر ہم کو تمہارا پاس خاطر نہ ہوتا، تو ہم نے کبھی کا اسے ٹھنڈا کر دیا ہوتا اور ایسا سبق سکھایا ہوتا کہ آئندہ اس نے ایسی حرکت کرنے کی جرات نہ کی ہوتی۔ اگر تم اسکو ان حرکات سے روک سکتے ہو، تو روکو، یہ وقت ہے ورنہ ہم اس کا سر قلم کر دیں گے اگر تم اس کا اور اپنا بھلا چاہتے ہو تو اس کے منہ کو بند کرو اور اس کی زبان کو قفل لگاؤ۔

بزرگ کی رسالت پر گفتگو

بزرگ نے آپؐ کو بہت کچھ کہا سنا اور سمجھایا بچھایا کہ بیٹا آخر کل تیرہ تو آدمی ہیں، تمہاری جماعت کے اور ان کے حوصلہ پر تم نے عرب کے لوگوں سے مخالفت کی کمر باندھ لی ہے اس پونجی پر یہ دعویٰ اور اس بے سرو سامانی پر اتنا بیڑا۔ یہ تمہارا خیال خام ہے۔ اسے دور کرو اور اس خبط کو سر سے نکال ڈالو۔ اپنی جان کی سلامتی مانگو اور مجھے دو دن آرام سے کانٹے دو، میں نے تم سے کہیں زیادہ دنیا دیکھی ہے اور عرب والوں کے خصائل سے زیادہ واقف ہوں۔ یہ بات اگر بڑھ گئی تو میری تمہاری ہردو کی خیر نہیں، عرب کے لوگ ہمیں جیتا جی نہیں چھوڑیں گے، بیٹا تم کو واسطہ ہے اسی خدا کا، جس پر تم کو اتنا بھروسہ ہے کہ اپنی جان کی خیر مناؤ، اور ان لوگوں

سے جھگڑانہ پیدا کرو۔

آنحضرتؐ نے جب ادھر اپنے چچا سے یہ کیفیت سنی اور ادھر لوگوں کی وہ سر توڑ مخالفت دیکھی تو خیال تو یہ تھا کہ آپؐ کا ارادہ سست پڑ جاتا اور حوصلہ پست، مگر عرب کا ہونہار فرمانروا اور دین اسلام کا علم بردار یہ گفتگو سن کر ایسے جوش میں آیا کہ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور بزرگ سے مخاطب ہو کر یوں کہنے لگا۔

آنحضرتؐ کا جواب

”اے میرے چچا، آپ نے مجھے پالا پوسا اور میری پرورش کی ہر طرح سے نگہبانی اور نگرانی کی، اس لیے ہر بات میں آپ کی رضا مندی میرے لیے سعادت مندی ہے اور آپ کی خوشنودی میں میری بہبودی، مگر اے بزرگوار! میں دین کے عوض دنیا کا خریدار بننا نہیں چاہتا اور اسلام ترک کر کے اپنی جان بچانا نہیں چاہتا، اگر آسمان سے آفتاب اور مہتاب اتر کر میرے دائیں اور بائیں آجائیں جب بھی میں یہ ارادہ ترک نہیں کر سکتا۔“ آپ مجھے چھوڑ جائیں، یہ تیرہ افراد بھی مجھ سے منہ موڑ جائیں، خلق خدا مجھ سے تعلق نہ رکھے مگر میں اپنے خدا سے تعلق نہیں چھوڑوں گا، مجھے بھوک پیاس کا مقابلہ کرنا پڑے، دنیا کی تمام ذلت و اذیت اٹھانی پڑے، ہر دکھ اور درد سے واسطہ پڑے، مجھے موت کے منہ میں بھی اگر جانا پڑ جائے تو بخوشی جاؤں گا، مگر اپنے خدائے برحق کے حکم سے منہ نہیں موڑوں گا، مجھے اس حاکم کا حکم ہے کہ میں توحید پھیلاؤں اور حقیقت کو بتوں کے پنجے سے چھڑاؤں، اس کے پیغام کا اعلان مجھ پر عین فرض ہے، کیونکہ میں اس کا پیغام بر ہوں، جب تک میرے دم میں دم ہے، حق کی یاد میرے دل میں رہے گی اور اس کا نام میری زبان پر، کوئی بشر اسے ہٹا نہیں سکتا ہے اور کوئی انسان اسے منا نہیں سکتا۔ اس بارے میں آپ کی سب کوشش لا حاصل ہے اور تمام سعی بے سود ہے، میرا اور آپ کا اصولی اختلاف ہے اور یہ اتفاق ہو ہی نہیں سکتا۔

بزرگ نے جب یہ سنا تو پانی پانی ہو گیا، بے ساختہ کہنے لگا کہ بیٹا میں نے آٹھ سال کی عمر سے تجھے پالا ہے، اب تو چالیس بیالیس کا ہے، اب تک ہماری اچھی نگہبانی، اب میرا تھوڑا وقت باقی ہے، یہ بھی جوں توں کر کے گزر جائے گا۔ بے شک ہماری رائے ایک دوسرے سے جدا ہے۔ مگر ہم خود تو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ہوں گے۔ تجھے جو بھلا معلوم ہوتا ہے تو کر اور جو تیرے خدا نے کہا ہے تو کہہ، میں تیرے ساتھ ہوں اور ساتھ رہوں گا۔ جو تیرا دشمن ہوگا۔ وہ میرا کہاں دشمن ہو سکتا ہے۔

کفار کی منصوبہ بازی

مشرکین مکہ جب اس چال میں کامیاب نہ ہوئے تو انہوں نے سوچا کہ یہ وار تو ہمارا خالی گیا، اب کوئی اور داؤ چلائیں اور نیا بیج لڑائیں، صلاح مشورہ کرتے رہے۔ آخر تجویز یہ ٹھہری کہ زر کے زور سے اسے قابو میں کیا جائے، رشوت کا دام پھیلا یا جائے اور کسی حیلے حجت سے محمد کو اس میں پھنسا یا جائے، چنانچہ ایک شخص کو تعینات کیا گیا، جو آپ کے پاس جائے اور آپ کو سمجھائے اور یہ کہے کہ تم کعبہ کے بتوں اور ہمارے معبودوں کے خلاف سخت کلمات استعمال نہ کیا کرو اور نہ خدا پرستی کا چرچا کیا کرو، اگر تم اس بات کو مان جاؤ، تو ہم اس کے عوض میں جو منصب تم چاہتے ہو، تمہیں اس پر سرفراز کر دیں گے، مگر ہم چاہتے ہیں کہ تم زباں درازی بند کرو اور ہر وقت یہ خدا خدا نہ کیا کرو۔

قاصد یہ پیغام مشرکین کا لے کر آپ کے پاس آیا اور سب معاملہ بالتفصیل آپ کو کہہ سنایا۔ آنحضرت نے جواب میں فرمایا کہ۔

”میں پیغمبر خدا ہوں اور اس کا پیغام دنیا کے لیے لایا ہوں۔ مجھ پر لازم ہے

کہ میں تم کو اللہ کی عبادت کا راستہ بتاؤں، تم سے رام نام جپاؤں اور مندر

کی مورتیوں کی پوجن چھڑاؤں نہ تمہارے مال کی طمع مجھے اس کام سے ہٹا

سکتی ہے نہ تمہارے منصب کا لالچ میرے دل سے یہ خیال مٹا سکتا ہے۔
 اے بھولے بھٹکے لوگو، کیا تم نے مجھے اتنا ہمت کا ہٹیا اور حوصلہ کا پست جان
 رکھا ہے، جب تک دم میں دم ہے، اللہ کے نام کا ڈنکا بجاؤں گا اور توحید کا
 پرچار کروں گا، بتوں کی پوجا تمہارا ایمان ہے اور رام کا نام تمہارے لیے کفر
 مجھے یہ کفر تمہارے ایمان سے افضل ہے اور سدا افضل رہے گا۔“

من لذتِ درد تو بدرماں نفر و شم
 کفرِ سر زلفِ تو بایماں نفر و شم
 صد جا بستانم کہ دہد دامت از دست
 دشوار بدست آمد و آساں نہ فروشم
 در دل نہ خیال گل روئے تو خلیدہ
 کارے کہ بصد گلشن رجوان نہ فروشم
 کام دو جہاں در عوض غم نہ ستانم
 ایں جنس گرامی بکس ارزان نہ فروشم

ترجمہ:

- 1: عشق جلتی ہوئی آگ پر بٹھا دیتا ہے۔ عشقِ ذلت کی خاک پر لوٹ پوٹ کر ادا دیتا ہے۔
- 1: میں آپ کے درد کی لذت کو علاج کے بدلے فروخت نہیں کرتا، تیری زلف کے سرے
 کے کفر کو ایمان کے عوض فروخت نہیں کرتا۔
- 2: میں سو مقامات پر کھڑا ہوتا ہوں تاکہ کہیں تیرا دامن ہاتھ میں آجائے۔ یہ بڑی مشکل سے
 میرے ہاتھ آیا ہے۔ اس لیے میں اسے آسانی سے نہیں بیچ سکتا۔
- 3: دل میں تیرے چہرے کے پھول کا خیال جو موجود ہے میں اس خیال کے کاٹنے کو بھی

رضوان کے صد ہا باغوں کے عوض بھی نہیں بچ سکتا۔

4: میں جہاں بھر کی خوشی تیرے غم کے بدلے نہیں دے سکتا۔ یہ عظیم شے ہے جس سے کسی کے ہاتھ سے داموں نہیں بچ سکتا۔

کوئی کسی کے لیے نہ جان دیتا ہے اور نہ ہی پگھلاتا ہے یہ عشق ہے کہ یہ کام بصد شوق کرواتا ہے۔

قاصد یہ جواب سن کر اپنا سامنہ لیکر واپس ہو آیا اور آ کے سب حال احوال انہیں سنایا، کہ بھائی، وہ محمدؐ تو تمہاری ایک نہیں مانتا لات مارتا ہے تمہاری دولت پر اور اعنت بھیجتا ہے تمہاری منزلت پر، کوئی دولت خدائی اسے ایسی ہاتھ لگی ہے کہ نہ اسے پروا ہے تمہاری جاہ کی، نہ اسے فکر ہے تمہاری حشمت کی، اب جو تم بن سکتا ہے بتالو، وہ خدا کو نہیں چھوڑتے گا، چاہے تم اس سے ساری دنیا چھوڑ لو۔ یہ واقعہ سن کر مشرکان بڑے طیش میں آئے اور آگ بگولہ ہو گئے۔ قبیلہ قبیلہ کے آدمیوں کو بلوایا کہ مل کر باہمی کوئی ایسی تجویز ٹھہرائی جائے جس سے ہمارا چھٹکارا محمدؐ کے ہاتھوں سے ہو جائے۔

آنحضرتؐ کے قتل کا منصوبہ

یہ شخص بڑا قادر الکلام ہے، بات کرتا ہے اور آدمی کو موہ لیتا ہے، سوال اس ڈھب پر لاتا ہے کہ انسان لا جواب ہو جاتا ہے، مگر اس کے سر پر کوئی جن بھوت ضرور سوار ہے اور یہ اس مرض سے لاچار ہے، کوئی کاہن یا ماندری بلاؤ اور اس کا علاج کراؤ، اس کے دماغ میں ضرور خلل ہے، کیونکہ بت ہماری پوجن ہے اور یہ بتوں کی تندیا کرتا ہے اور ہر وقت خدا خدا کرتا رہتا ہے۔ اسی نوع اور ڈھنگ کی تدبیریں پیش ہوتی رہیں اور ہر ایک اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنی جہالت و حماقت کا نمونہ دکھلاتا رہا۔ آخر ایک شخص جو نسبتاً ذرا عقل کا زیادہ ہی دھنی تھا، رہ نہ سکا اور جھنجھلا کے کہنے لگا کہ ہمارا کبھی اس طرح اس شخص سے چھٹکارا نہیں ہوگا، جب تک یہ زندہ

ہے ہمیں زندہ درگور کیے رکھے گا، جو میری سنو، تو کوئی نہ کوئی حیلہ حجت سامنے رکھو اور اس کا قلع قمع کر دو، یہ دروس دور ہو جائے اور روز روز کا جھگڑا ختم ہو جائے، تم یہ کیا لمبی لمبی تجویزیں روز گڑھتے رہتے ہو اور یہ بہار داستان کھول دیا کرتے ہو، بھلا تمہاری ان باتوں سے اس کو باز آجانا ہے، وہ بڑا جادوگر ہے، تم نے اسے سمجھ ہی کیا رکھا ہے۔ اس ”دورانہ لشی“ کی سبب نے دادی اور اس ”عقلندی“ پر واہ واہ کہی۔

بریں عقل و دانش باید گریست

سب نے باتفاق اس رائے کو پسند کیا اور ارادہ پختہ کر لیا۔ پھر کیا تھا، آخر بد اعمالوں نے حرکات ناشائستہ پر کمر باندھی بڑھتے بڑھتے نوبت بائینجا رسید، کہ جہاں سے آنحضرتؐ کو رات کو گزرنا ہوتا، وہاں یہ بد کردار جا کر راستہ میں کانٹے اور خار دار جھاڑیاں بچھا آتے، جہاں کہیں آپؐ کو وعظ کے لیے جانا ہوتا، یہ پہلے ہی پہنچ جاتے اور لوگوں کو بہکاتے اور اس قدر شور و شر مچاتے کہ حاضرین کچھ سن نہ سکتے اور آپؐ تنگ ہو کر واپس چلے آتے جہاں دیکھا کہ آپؐ نے کھانے کو کچھ چیز سامنے لا کے رکھی ہے۔ فوراً ہی آگے اور کوڑا کرکٹ بااثر، جو بھی اس وقت ہاتھ چڑھا، اٹھایا اور اوپر دے مارا اور غلاظت سے کھانا بیکار کر دیا، جہاں کہیں برسرِ راہ یہ بد باطن آنحضرتؐ کو مل جاتے تو اس طرح بے تحاشہ اینٹ پتھر ڈھیلے آپؐ پر چلاتے کہ بعض اوقات آپؐ کے ٹخنوں ٹانگوں سے خون بہ نکلتا۔ الغرض کوئی اذیت نہ تھی جو مشرکان نے سامنے نہ لا دکھائی ہو۔ غیروں سے تو بھلا کوئی کیا گلہ کرے خویش و اقارب بھی دشمن جاں ہو گئے۔ ایک ایسی ہوائے تند خونی چلی کہ جہاں کہیں بھی کسی نے آپؐ کو اکیلا دوکیلا پایا پکڑا کھینچا مارا گھسیٹا اور کسی نہ کسی نوع کا دکھ دیئے بغیر نہ چھوڑا۔

ایک دن ایسا واقعہ پیش آیا کہ اگر خوش قسمتی سے ابو بکرؓ وہاں نہ پہنچ جاتے اور پنچہ سے نہ چھوڑاتے تو انہوں نے کھینچ کھینچ کر اور زمین پر گھسیٹ گھسیٹ کر جان ہی سے مار ڈالا

ہوتا۔ آپ کی جان بخشی تو ابو بکرؓ نے خدا خدا کر کے کرائی، مگر ان کی اپنی جان ظالموں کے پنجے میں ایسی پھنسی کہ بڑی مشکل سے ہی انہوں نے خود رہائی پائی، آپ کی جماعت میں ایک جان نثار بنام عمار تھا ایک دن ان بدطینتوں نے اسے اور اس کے لڑکے کو پکڑ لیا اور زمین پر نرم ریت بچھا کے ان دونوں کو اوپر لٹا دیا اور پتھر کی سلیں ان کی چھاتی پر رکھ دیں اور ان سے مطالبہ کیا کہ محمد ﷺ کو فحش گالیاں دو ورنہ تم یہیں ان پتھروں کے نیچے دب کے مر جاؤ گے، عمارؓ نے جب شوہر اور پسر ہر دو کو اجل کے منہ میں شکار ہوتے ہوئے دیکھا تو چلا اٹھی، زار زار رونے لگی اور ان ظالموں کو بددعا دینے لگی، اس جرم کی پاداش میں اس کو بھی پکڑ لیا گیا، اس کے کپڑے چیر پھاڑ کے پھینک دیئے اسے تن برہنہ کر دیا اور پھر کیا کچھ اس کے ساتھ نہ کیا، دو بے گناہ بچاری مصیبت کی ماری محمدؐ کے دین پر واری وہیں جاں بحق ہو گئی۔

عشق است کہ بر آتش سوزاں بہ نشاند
عشق است کہ بر خاک مذلت نخلاند
کس بہر کے سر ندہد جاں نگدازد
عشق است کہ ایں کار بصد صدق کناند

باب 5

عہد نامہ عدم تعلق

بنی ہاشم کے قبیلہ کے لوگ جن میں سے کہ آپ خود بھی تھے آپ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اگرچہ صرف چند ہی شخص ان میں سے موجود تھے جنہوں نے اس وقت تک اسلام قبول کیا تھا مگر وہ یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ دوسرے قبیلہ کے لوگ ان کے قبیلہ کے ایک شخص کو تیز نگاہ سے دیکھیں، یہ تقاضا بھائی بندی کا تھا اور حمیت خاندانی اس پر مجبور کرتی نتیجہ یہ ہوا کہ جھگڑا بجائے شخصی کے اب خاندانی ہو گیا۔ قریش نے اب علانیہ مخالفت پر کمر باندھ لی اور قسم کھالی، بلکہ ایک اقرار نامہ بنایا کہ جب تک بنی ہاشم کے لوگ محمدؐ کو ہمارے حوالے بغرض قتل نہ کر دیں گے۔ تب تک ہمارا ان سے قطع تعلق رہے گا۔ باہمی قول و قرار کروائے کہ نہ کوئی ان کے ساتھ کھائے، پیے، نہ رشتہ ناطہ کرے، نہ ان کے ساتھ کاروبار کرے اور نہ ان کے ساتھ کوئی خرید و فروخت کرے جو خلاف ورزی ان شرائط کی کرے گا اسے ذات برادری سے خارج کر دیا جائے گا۔ اس عہد نامہ پر سرکردہ اشخاص کے دستخط مثبت کرائے گئے۔ اصل کاغذ خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا اور نقل اس کی ابو جہل کی خالہ کی تفویض میں رکھی گئی۔ تاکہ اس جدید حرکت کو بھی اسی جاہل کے خاندان سے ہی نسبت رہے، شعب کی یہ شرارت مدتوں چلتی رہی اور اس سے کیا کیا اذیت بچارے مسلمانوں نے نہ سہی اور قادر رہا، چاہہ چشموں سے ان کے لیے پانی لینا مصیبت ہو گیا۔ الغرض شعب کی ہستی میں قریش نے قحط ڈال دیا اور ہر طرف سے ان کا ناکہ بند کر دیا، بعض رحم دل اشخاص جو بنی ہاشم کے بچوں کو بھوک پیاس سے لاچارہ

دیکھتے اور شب کو ان کا بلبلانا پڑوس میں سنتے تو ان کے کلیجے اہل اٹھتے آخر قریش کے چند اشخاص کو ان کی گئی گنوائی عقل نے پھر شکل آدکھائی، تین سال کے بعد ایک بندہ خدانامی بشام مرد میدان بن کر سامنے آیا اور اس نے سب کو خوب ڈانٹا، کہنے لگا۔ ”کیا یہی تمہاری انسانیت ہے کہ یہ بچے تمہاری آنکھوں کے سامنے بھوکے مرا کریں اور تم عیش و آرام سے رہا کرو، آخر جرم ہی ان کا کیا ہے اور کس کی تقصیر کے یہ لوگ مجرم ہوئے ہیں“ یہ کیفیت سن کر چند ایک اور آدمی بھی اس رائے کی تصدیق میں اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ لاچار ایک دن بزرگ ابو طالب نے خود ان لوگوں سے کہا کہ بھائی ”تم وہ کاغذ منگواؤ، جس پر یہ عہد نامہ لکھا گیا تھا اور جس میں محمدؐ کا اور اسکے خدا کا اور باقی سب کا چرچا رقم ہے۔ میں سنتا ہوں کہ جو عہد نامہ تم لوگوں نے لکھا ہے اس کے کاغذ کو کیڑے لگ گئے ہیں، نام خدا کے سوائے اور کوئی حرف پڑھا نہیں جاتا، محمدؐ نے مجھ سے ایسا بیان کیا ہے اس پر چہ کو طلب کرو، اگر یہ بیان سچ نکلے تو ہم لوگوں کو اس زحمت سے خلاصی دو اور اگر غلط نکلے تو محمدؐ کو ہلاک کرو“ عہد نامہ منگوا یا گیا اور دیکھا گیا تو آنحضرتؐ کا کہنا صحیح پایا گیا، اس پر بہادر ہشام اور چار جوان مرد جو اس کے ہم خیال تھے، بول اٹھے کہ یہ تمام کاغذ لچرتے اور یہ سب تجویز لغوی ہم کوئی پابند اس تحریر کے نہیں ہیں۔ کاغذ ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا اور تین سال گزر جانے کے بعد ان لوگوں کو اپنی نوشتہ تحریر کی لغویت سمجھ میں آئی اور بے گناہ بے تقصیر مسلمانوں کے بچوں نے عذاب سے نجات پائی۔

باب 6

ہجرت حبشہ

جب دکھ کے دن طول پر طول پکڑتے گئے اور درد کی راتوں کا خاتمہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں ترس گئیں تو رسولؐ نے اپنی مٹھی بھر جماعت اسلام کو اکٹھا کیا اور یہ مشورہ دیا کہ تم یہاں سے ہجرت کر جاؤ آپؐ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ -----

اے دین الہی کے نگہبانو اور شجر اسلام کے باغبانو، تمہارا اب یہاں ٹھہرنا نامناسب ہے۔ مشرکان کی تعدی حد سے بڑھ گئی ہے اور ہر مسلم کی جان عذاب میں پھنس گئی ہے۔ اب مناسب طریق یہی ہے کہ تم مع عیال اطفال ان دشت لوگوں کی صحبت سے کنارہ اختیار کرو اور نجاشی بادشاہ حبشہ کی بادشاہی میں جا پناہ لو کہ وہ خدا ترس سنا جاتا ہے، اگرچہ میری طبیعت کو بڑا قلق ہے کہ مجھے تم سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے گی اور تم کو مجھ سے مگر اے مسلمانو، تم کو علم رہے کہ ایک عالم کی امیدیں تم سے وابستہ ہیں اور روز قیامت کو اپنی سرخروئی، تو یہاں سے نکلنے کی فکر کرو، تاکہ یہ نونہال اسلام مکہ کی مشرک ہو اسے فحج جائے اور ان آندھیوں سے محفوظ رہ کر نشوونما پائیں، اے مومنو! کمر ہمت باندھو، اور چلنے کی تدبیر کرو، مولا بھلا کرے گا۔

مسلم بچارے اسلام کے پیارے حکم نبی اللہ ﷺ کا سننا تھا کہ فوراً تیار ہو گئے ان غریبوں نے مسکن و مکان چھوڑا، گھر بار چھوڑا، باپ، دادا کا وطن چھوڑا مگر رسول اللہ کے حکم سے منہ نہ موڑا۔ حیرت کا مقام ہے کہ آپؐ کی امت کے اس وقت آدمی بھی صرف یہی ہوں

اور پچیس سے زیادہ کسی بھی نہ ہوں اور ہوں بھی اس قدر جاں نثار کہ بل بھر میں سبھی آجھ چھوڑنے کو تیار ہو جائیں، آفریں ہے ایسے دلدادوں پر اور صد آفریں ایسے دلدادوں پر، ان بچاروں نے تھوڑا بہت زاد راہ ساتھ لے لیا اور بال بچہ کو ہمراہ لے، اللہ کی آس اور رسول ﷺ کے آسے پر چل پڑے کہ شاید ہمیں وہاں کوئی دن آرام سے سانس لینا ملے اور چند دن زندگی کے ان کفاروں کے ظلم سے نجات ملے، اس امید پر افاں و خیزاں راستہ کی تکالیف اٹھاتے سفر کے دکھ جھیلتے شاہ جہش کی سلطنت میں آخر آ ہی پہنچے۔

مشرکان کا تعاقب

ان خوش نصیبوں کے بخت ان سے بھی زیادہ تیز تر نکلے، وہ ان سے قبل ہی آنسو دار ہوئے، مشرکین مکہ بھلا کہاں برداشت کر سکتے تھے کہ مسلم کوئی گھڑی سکھ کی گزاریں، ان کا آرام ہی تو ان کا درد تھا، مسلمانوں کے جہش میں وارد ہوتے ہی یہ بھی پہنچ گئے، یہ لوگ بہت سے تحفہ تحائف ساتھ لائے تھے۔ انہوں نے امیروں، کبیروں کو نذرین پیش کیں اور ان کو رشوت دے کر خوب پہلے ہی گانٹھ لیا۔ جب یہ سب تانا بانا انہوں نے کر لیا تو کفار مکہ نے پھر بادشاہ جہش کے روبرو اپنی حاضری دے کر عرضی پیش کی کہ یہ مسلمان ہمارے غلام ہیں اور مکہ سے بھاگ کے آئے ہیں اس لیے انکی گرفتاری کا حق ہمیں حاصل ہے۔ ہمیں شاہ کے دربار سے مدد ملے تاکہ ہم ان کو واپس گھر لے جائیں۔

ساتھ ہی یہ بھی عرض داشت کی کہ ان لوگوں نے اپنا ایک نیاندہب کھڑا کر لیا ہے اور خانہ کعبہ کے معبودوں کے خلاف یہ عوام کو برا بیچنے کرتے رہتے ہیں اور ان کی شان کے خلاف منہ سے بہتان بولتے رہتے ہیں، نہ کوئی ان کا دھرم ہے، نہ ایمان ہے، شرارت سے ہر وقت ان کو کام ہے۔ بادشاہ یہ نالش سن کر کہنے لگا کہ خواہ کچھ بھی انکا مذہب ہی اعتقاد ہو، جب وہ وہاں

معلوم ہوتے ہو جب تم بادشاہ کے روبرو ایسی جیبا کی اور گستاخی سے پیش آئے ہو۔ جب تم میں اتنی شوخی شرارت موجود ہے کہ شاہ جہاں پناہ کو تم نے سجدہ نہیں کیا، جس سے تم پناہ پاتے ہو، تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ تم نے مکہ والوں کا قافیہ بھی تنگ کر رکھا ہو، تم پہلے اس نامعقول حرکت و شرارت کا جواب دو، اس طرح کی بہت باتیں بنا کر بادشاہ کو بھڑکانے کی کوشش درباریوں نے کی، مگر ان کی کچھ پیش نہ چل سکی۔ بادشاہ نے مسلمانوں سے دریافت اصل واقعہ کی شروع کی۔ ان سے پوچھا کہ بتاؤ تمہارا جواب دعویٰ کیا ہے؟

مسلم گروہ کے سرگروہ جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) تھے وہ جواب کو آگے بڑھے اور کہنے لگے کہ اے بادشاہ سلامت امیروں نے جو سجدہ کا اعتراض ہم پر کیا ہے یہ درست نہیں، گستاخی ہمارے نزدیک نہیں آئی، نہ بے ادبی ہماری بیت میں ہے مگر ہمارا مذہب ہم کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ سجدہ کرنا لازم ہے صرف خدا کو اور سوائے خدا کے کوئی بندہ سزاوار سجدہ نہیں ہے، ہم کو یہ فرمان رسول ﷺ کا ہے اور ہم اس کے خلاف نہیں چل سکتے۔

یہ گفتگو سن کر نجاشی بادشاہ جو کہ خود عیسائی تھا، کہنے لگا، مسلمانو! تمہارا رسول خدا ﷺ کون ہے، جس کا تم حوالہ دے رہے ہو۔ وہ کون شخص ہے، جس نے تم کو یہ تعلیم دی ہے اور تم یہ بھی بتاؤ کہ تم مکہ سے بھاگ کر یہاں کیوں آئے ہو اور کیا واقعی تم ان لوگوں کے غلام ہو؟ یہ فرمان شہ کاسن کر جعفرؓ پھر آگے بڑھے اور یوں عرض کی۔

جعفرؓ کی معجزہ بیانی

اے بادشاہ سلامت، ہم لوگ مسلمان کہلاتے ہیں۔ ہم امت نبی ﷺ کی ہیں، جس کا نام محمدؐ ہے اور جو رسول خدا ﷺ ہے۔ اس نے ہم پر بڑے کرم فرمائے ہیں پہلے ہم مردار کھایا کرتے تھے، پھر کے بت پوجتے تھے، لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا کرتے

تھے۔ بروقت ہمیں جھوٹ سے کام تھا اور فریب سے غرض، خدائے ایزد نے ہمارے لیے اب
ابررحمت بھیجا جس نے رحمت کی برکھا برسانی۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

اب ہمارا ایمان خدائے واحد پر ہے، بت پرستی کو ہم کفر سمجھتے ہیں، عورت ذات کی
عزت کرتے ہیں، دنگہ فساد سے گریز کرتے ہیں، یتیموں کے مال سے سخت پرہیز کرتے ہیں
اور نام مولا مفلوسوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں، یہ تمام اللہ کی برکت ہم کو رسول ﷺ کے فضل سے نصیب
ہوئی ہے، اے حاکم وقت! یہ ہے ہمارا جرم، جس کی پاداش میں ہم مکہ سے نکلے اور یہی ہے
ہماری تقصیر۔ اے جس کے حاکم ہم نے تیرا شہرہ سنا ہے کہ تو ایک عادل بادشاہ ہے اور عاجزوں
کی پناہ ہے، تیرے در پر ہم دور سے چل کر آئے ہیں۔ اور بڑی امیدیں باندھ کر آئے ہیں ہم
بھی کیا یاد رکھیں گے کہ تیری اس عظیم الشان سلطنت میں ایک دس بیس انا تھوں کے مسکن کے
لیے دو چار جھونپڑیوں کی جگہ نہیں رہی۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کر دن
اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

ترجمہ:

مظلوموں کی آہ سے ڈرو کہ بددعا کرتے وقت ذاتِ حق سے قبولیت خود اس کی طرف پیش

قدمی کرتی ہے۔

مسلمانوں کے غم کی داستان اور ان کے قبول اسلام کا تذکرہ بن کر بادشاہ کا دل بھر آیا۔ ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

مسلمانوں! تم پر اور تمہارے رسول ﷺ پر آفرین، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ وہی رسول ﷺ ہے، جس کا ذکر میں نے انجیل میں پڑھا اور عیسیٰ ابن مریم نے جس کی بشارت انجیل میں دی ہے۔ ”یہ اسی نور کی شعاعیں ہیں جس کا جلوہ موسیٰ پر ہوا تھا“۔

ادھر مشرکین مکہ کی سفارت کو بادشاہ نے حکم سنایا کہ میں ان مسلمانوں کو بیرگز تہبارے حوالہ نہیں کروں گا۔ کوئی جرم ان پر عائد نہیں ہوا۔ تمہارا دعویٰ باطل ہے اور خارت ہے یہ مسلم لوگ جو میرے ملک میں پناہ گزیں ہونے کے لیے آئے ہیں ان کو عام اجازت ہے، جہاں یہ چاہیں، آباد ہو جائیں، کوئی ممانعت ان کے لیے نہ ہوگی۔

باب 7

مشرکین کی چالبازیاں

مشرکین مکہ نے جب آپ ﷺ کو اب بالکل اکیلا پایا، تو اس وقت کو مفید جانا اور طرح طرح کی چالبازیوں پر آمادہ ہو گئے۔ ہر چند آپ نے حوصلہ و ہمت سے کام لیا۔ مگر مخالفت ہر جانب سے روز افزوں ہوتی ہی گئی۔ آخر آپ نے یہ ارادہ کر لیا کہ اس جگہ کا قیام ترک کر دیا جائے اور اپنا ٹھکانا کہیں اور بنایا جائے۔

ہم صغیرانِ چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے
ہائے اے شامِ غریباں کہ وطن چھوٹے ہے

نبی اللہ ﷺ کا طائف جانا

پہلے آپ نے اب شہر طائف کا رخ کیا کہ وہاں چلیں اور چل کر توحید کی تبلیغ کریں۔ دل میں سوچا کہ اس وقت مکہ کی پتھر ملی زمین میں وحدانیت کی تخم ریزی رائیگاں ہے، یہاں اب ٹھہرنا بھی ناممکن ہو جا رہا ہے۔ طائف کو چلیں ان لوگوں کو کلام الہی سنائیں اور جو دو چار دن مکہ سے باہر گزر جائیں گے۔ وہی غنیمت ہیں۔ ان ظالموں کے پنجہ سے کچھ تو نجات ملے گی، مگر مشرکین مکہ نے پہلے سے ہی طائف میں خبر پہنچادی کہ فلاں فلاں شخص آ رہا ہے، تم

خبردار رہنا اگر تم کو اپنی اور اپنے معبودوں کی کوئی عزت و توقیر منظور ہے تو اس شخص کو نزدیکی نہ آنے دینا، یہ شخص بڑا ”فصح البیان“ ہے اور سحر جادو سے اسے ہر وقت کام ہے، جو کوئی اس ﷺ کی بات سن لے گا، وہ اسی ﷺ کا ہور ہے گا۔ خبردار رہنا اور اسے ﷺ پاس نہ آنے دینا، یہ خبر کیا پہنچی کہ وہاں تو لڑائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں، ہر کسی نے یہی سمجھا کہ یہ تو وئی ان پر بلا ٹوٹ پڑی ہے سب اکٹھے ہو گئے اور لڑائی کے لیے ڈٹ گئے۔ ایک رسول خدا ﷺ ایک طرف اور تمام طائف دوسری طرف ایک کا علاج دو ہوتا ہے، بھلا جہاں دو تو کیا، اکٹھے دو ہزار انسان اٹھ کھڑے ہوں، وہاں بھلا کوئی کیا کرے۔

یہ لوگ اونچے اونچے ٹیلوں پر چڑھ گئے اور اینٹ پتھر، تیرکمان ساتھ لیکر مورچہ بنا کر بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ کے شہر میں داخل ہونے پر ان بد کرداروں نے ایسی بارش برسائی اور طائف کے طفلوں سے ذلت کرائی کہ آپؐ لہولہان ہو گئے اور اسی حال میں واپس پلٹے اور بمشکل تمام شہر کے باہر نکل کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ یہ سب کچھ ہوا مگر آپؐ کا خدا پر ایمان اور اپنی کامیابی پر یقین اور بھی بڑھتا جاتا تھا، آپؐ کا آزاد غلام زیدؓ آپؐ کی تلاش میں یہاں پہنچا۔ آپؐ کو اس حالت میں دیکھ کر اس کا دل خون ہو گیا۔ اس نے کہا۔ آپؐ طائف والوں کے حق میں بددعا کیوں نہیں کرتے تاکہ طائف کے درختوں اور باغوں پر پتھر برسے اور یہ بستی برباد ہو جائے، جس نے خدا کے سچے پیغمبر ﷺ کو محض اس لیے اتنا دکھ پہنچایا کہ وہ ان کو گمراہی سے نکلنے کی تلقین کر رہے تھے۔

زیدؓ کی یہ بات سن کر آپؐ مسکرائے اور جواب دیا کہ میں اس دنیا میں خدا کا قبر بن کر نازل نہیں ہوا۔ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ کیا ہوا، اگر یہ لوگ آج گمراہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی نسلیں ضرور خدا پر ایمان لے آئیں گی۔

یہ فرما کر آپؐ نے خدا سے دعا مانگی اور پھر مکہ کی جانب جانے کا ارادہ کر لیا۔

آنحضرت ﷺ کو بخوبی علم تھا کہ مکہ جانا بھی اب کوئی سہل امر نہیں ہے، بڑی بے عزتی کا سامنا ہے، دشمنوں کی نظروں میں بے حرمتی، بے توقیری علیحدہ اور واقفوں آشناؤں کی طرف سے بے رخی و بے اعتنائی جدا۔ مگر آپؐ نے ٹھان لی کہ اب جانا مکہ کو ہے چاہے کچھ بھی ہو۔ چلنا پریم نگر کو ہے، جانا دیار دلبر کو ہے خواہ کسی بلا سے بھی معاملہ پڑے۔

کفار بھی ادھر پھر مخالفت پر تل گئے۔ انہوں نے بھی ٹھان لی کہ جو کچھ بھی ہو، اب محمدؐ کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ جب آپؐ طائف سے واپس آتے ہوئے مکہ کے قریب و جوار میں پہنچے اور آپؐ کو مکہ والوں کے اس منصوبہ کا پتہ لگا تو آپؐ نے یہی مناسب خیال کیا کہ قبل اس کے کہ شہر میں وارد ہو جائیں، ان لوگوں سے ایک معاملہ کیا جائے۔ ممکن ہے کہ اس سے یہ تنازعہ رفع دفع ہو جائے۔ آپؐ نے ایک مسافر کے ہاتھ شہر والوں کو یہ کہا بھیجا کہ میں اس شہر کا باشندہ ہوں، اور باپ دادا سے یہ میرا مسکن ہے، میں امید کرتا ہوں کہ کوئی نہ کوئی شریف آدمی مجھے اپنی ذمہ داری میں لے لے گا اور میرا ضامن ہو جائے گا، مصیبت میں بھلا کون کسی کا ساتھ دیتا ہے مخالف تو درکنار رہے، خویش و اقارب کا لہو بھی سفید ہو گیا۔ واقف آشنا سبھی منہ موڑ گئے اور اپنے پرانے سبھی چھوڑ گئے۔

مطعم کی پناہ

بھلے آدمی کی قلت تو دنیا میں ہر جگہ رہتی ہے اور عرب میں تو قحط الرجال تھا، مگر اللہ کار ساز ہے، ایک شخص مطعم نام مرد میدان بن کر سامنے نکلا، اونٹنی پر چڑھ کر اس نے مکہ میں کوچہ بہ کوچہ منادی کر دی کہ دیکھو لوگو سنو محمدؐ بن عبد اللہ آج سے میری ذمہ داری میں آئے ہیں، خبردار کوئی اسے اب سے برا بھلا نہ کہے، میں اس کا ضامن ہوں، یہ بھی کسی کو کچھ نہیں کہے گا، مذہب

اس کا اپنا ہے، ہمارا دین اپنا، نہ اسے ہمارے بتوں سے کچھ تعلق ہے، نہ ہم کو اس کے خدا سے، مگر یہ سن لو، جو شخص اس کو ناحق دکھائے گا، وہ منہ کی کھائے گا۔ اس ذمہ داری پر آنحضرت ﷺ مکہ تو آگئے لیکن بدشعار اور بدضامن لوگ اب مطعم کے درپے ہو گئے اور بات بات میں اس سے نوک جھوک کرنے لگے، آئے دن ایک نیا جھگڑا اور ہر روز ایک نیا فساد، ضامن غریب کا انہوں نے ناک میں دم کر دیا۔ رسول ﷺ کی رسالت بھلا یہ کب برداشت کرے اور نبی ﷺ کی نبوت کہاں گوارا کرے کہ مطعم سا ایک محسن ناکردنی الزام میں روز گردانا جائے اور یہ سب کچھ ہوا کرے۔ آپ کی خاطر، آپ نے ایک دن صبح گجر دم نور کے تڑکے برسر راہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہنا شروع کر دیا کہ بھائی دیکھو کوئی مطعم سے میری خاطر آئندہ جھگڑا نہ کرے۔

مطعم کا کچھ قصور نہیں ہے۔ جو بھی ہے میرا اپنا ہے، میں اب اس کی ذمہ داری سے نکل آیا ہوں، میں ہمیشہ اس خدائے واحد کی پناہ میں ہوں، جس کے لیے تم میری جان کے دشمن بنے ہو۔ تم کو اب واضح رہے کہ میں ہمیشہ صرف اسی کے زیر سایہ ہوں، وہی میرا اور تمہارا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہم سب کی جان لینے والا ہے۔ عاقبت کے روز سب کو اسی کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور اپنا اپنا حساب کتاب دینا ہے، جب تک حکم ربی نہ ہوگا، تم میرا کچھ نہیں کر سکتے، جب تک مرضی مولانا ہوگی تم میرا بال تک بچا نہیں کر سکتے، اب میں نے تم کو اچھی طرح آگاہ کر دیا ہے، مطلع رہو۔

اس دلیرانہ کلام اور جوانمردانہ گفتگو کا اثر بے مثل ہوا۔ لوگ دہشت کھا گئے اور وہ گئے اکثر تو اجدان پڑھتے تھے سمجھ بوجھ رکھتے نہ تھے، مگر بعض اشخاص اب وقتاً فوقتاً اس سوچ میں بھی پڑ جاتے تھے کہ محمد ﷺ کا خدا کیا شے ہے جس کا اتنا بھروسہ اس شخص کو ہے۔ یہ لڑکا یتیم سا ہوا کرتا تھا، نہ اس کی کوئی پوچھتھی نہ پر تیت، نہ اسے پڑھنا آتا تھا نہ لکھنا، اب یہ کیا سے کیا ہوا جا

رہا ہے، آئے دن نیا مسئلہ نکالتا ہے، عالم فاضل بنتا چلا جاتا ہے، اب اس کی بات دیکھو کس وضع کی ہے اور یہ گفتگو کس ڈھنگ کی کرتا ہے، آخر یہ کیا عجیب و غریب واقعہ ہے۔

بیچے کہ ناکردہ قرآن درست
کتب خانہ ہفت ملت ہشت

ترجمہ:

جس یتیم نے کبھی ایک لفظ نہ پڑھا تھا اس نے مفت اقلیم کے کتب خانے صاف کر دیئے

باب 8

عمر و حمزہ و طفیلؓ

قتل کا دوسرا منصوبہ

مسلمان اب حبش کو ہجرت کر گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ پیچھے اکیلے تھے۔ کفار نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنی کارستانیوں میں اور بھی اضافہ کرنے لگے۔ ایک دن یہ بد باطن لوگ جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ لعنت ہے ہماری غیرت پر جہاں ہم سے ”ایک کج فہم محمد ﷺ (نعوذ باللہ) سیدھا نہ ہو سکا، وہاں ہمارا جینا موت سے بدتر ہے کیا ایک آدمی بھی ہم میں ایسا نہیں جو ہمارے معبودوں کو اس جادوگر کے پنجہ سے بچائے۔ کیا کوئی منچلا جوان بھی ایسا نہیں رہا ہے کہ جو اس کے مقابلہ کو سامنے آئے، کیا کوئی جانناز عرب ایسا نہیں ہے، جو قوم کی خاطر اپنا خون بہائے، یہ جوشیلی تقریریں جب لوگوں نے سنیں تو ان نے غیرتوں کی ”غیرت“ نے جوش مارا، ابو جہل نامی ایک اجہل اس مجلس میں شریک تھا، کہنے لگا کہ میں ایک صد اونٹ اور ایک ہزار سکہ چاندی اس شخص کو انعام میں دوں گا، جو اس محمد ﷺ کا سر کاٹ کر لا پیش کرے گا۔ اس پر ایک شخص نو عمر باسم گرامی عمر شجاعت کے جوش سے معمور اور لاوری کے نشہ میں چور گھنٹا ٹیک کر اٹھا اور للکارا کہ اے مکہ والو، بس میں اب تمہارے روبرو منہ تپ دکھاؤں گا، اگر محمدؐ کا سر کاٹ کر لاؤں گا، اب یادہ نہیں یا میں نہیں۔

قتل کے لیے حلف اٹھانا

یہ بات سن کر وہ بے شعور لوگ بڑے خوش و خرم ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اب محمدؐ سے ہماری مخلصی ہوئی، عمرؓ بڑا سورا ماجوان ہے، محمدؐ اس کے روبرو کیا جان ہے، یہ ایک وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا اور اپنا اور اپنی قوم کا نام قائم کر جائے گا، جاہل ابو جہل اپنے زر کے زعم میں اور عمرؓ اپنی نو عمری کے نشہ میں دونوں مرد میدان بن کر اس کام کو نکلے، قول و قرار بھر مجلس میں ہی چکا تھا اور آنحضرت ﷺ کے سر کی قیمت ایک صد اونٹ اور ہزار سکہ مقرر ہو چکی تھی اور شہرہ شجاعت علیحدہ، مگر مزید پخت و پز کے لیے یہ ہر دو بشر کعبہ کے بتوں کے سامنے آ حاضر ہوئے، وہاں ابو جہل نے قسم کھائی اور اپنی جہالت و شرارت کو اس طرح مزید پکا کیا، عمرؓ نے حرم سے نکلے ہی تلوار نیام سے کھینچ لی اور شمشیر الف کیے نبی اللہ کے خون کی پیاس میں تشنہ لب آپ کے گھر کی طرف دوڑا۔

بجرم عشق تو مارا کشند و غوغائیت
تو نیز میر بر بام آکہ خوش تماشا نیت

(ترجمہ) تیرے عشق میں لوگ ہمیں جان سے مار رہے ہیں۔ ایک ہنگامہ برپا ہے تو بھی چھت پر آ اور دیکھ کتنا حسین نظارہ ہے۔

عمر کا اپنی بہن کو قتل کرنے کا قصد

اتفاقاً عمرؓ کو راستہ میں ایک دوست ملا اور اس سے پرسان حال ہوا کہ بھائی یہ کیا ماجرا ہے تو چلا کہاں ہے، سچ بتا یہ کس کی جان پہ آبی ہے اور تو نے کہاں کی ٹھانی ہے۔ عمرؓ نے اسے ابو جہل کی جہالت کی نکل داستان سنائی اور ساتھ ہی اپنے ایک صد اونٹ اور ایک ہزار سکہ

انعام کی بات سنائی، وہ سن کر کہنے لگا کہ یہ تو سب کچھ درست ہے اور بجا، مگر محمدؐ تو پھر بھی ایک غیر شخص ہے۔ اس سے تو چار دن ٹھہر کر بھگت لینا، تو بات کر پہلے اپنے بہن بہنوئی کی، جن کا اسلام تیرے خاندان کے نام پر دھبہ ہے، پہلے اپنے گھر والوں کا بندوبست تو کر۔ جو بروقت محمدؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں اور اللہ کا جب لیا کرتے ہیں اگر تم کو یہ کام کرنا ہی ہے تو کیوں نہیں پہلے ان دونوں کا کام تمام کرتا۔ تمہارے اپنے کنبہ قبیلہ کی عزت بھی رہ جائے اور مسلمانوں کو بھی عبرت آجائے۔ عمرؓ نے جب یہ بات سنی تو اس کے تن بدن میں ایک نئی آگ بھڑک اٹھی، انہیں قدموں لوٹا اور سیدھا بہن کے گھر کا رخ کیا۔ دوڑا آیا اور زور سے آ کے دروازہ کھٹکایا۔ بہن اس کی آواز پہچان گئی، اس نے جھٹ سے خواب کو جو اس وقت سورۃ طہ پڑھ رہے تھے اندر چھپا دیا کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ عمرؓ تند مزاج ہے اور ہمارے ترک کفر کا بھی مخالف ہے ایسا نہ ہو کہ اسے قرآن پڑھتا دیکھ کر طیش میں آجائے۔ اور خواب مفت میں زیر عتاب آجائے، ہم سے تو پھر بھی بوجہ بھائی بندی شاید دریغ کر جائے، مگر اس کو کلام اللہ پڑھتا دیکھ کر جیتا نہ چھوڑے گا۔ چنانچہ خواب کو چھپا کر بہن نے آ کر دروازہ کھولا اور عمرؓ کی نظروں سے خون نپکتا جو دیکھا اور ادھر نظر ننگی تلوار پر پڑی تو تازگی کہ اجل آئی۔ عمرؓ غصے میں بھرے ہوئے اندر آئے اور بہنوئی سے پوچھا، تم یہ کیا کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا تمہیں کیا مطلب عمرؓ نے بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا۔ بہن نے آگے بڑھ کر روکنا چاہا، عمرؓ نے بہن کو زور سے طمانچہ مارے اور کہا تم قوم میں فساد ڈالنا چاہتے ہو۔ بہن آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔ بھائی یہاں جھگڑا یا جٹ و جدال کا سوال ہی نہیں ہے تو میرا بھائی ہے، میں تیری بہن ہوں جو بھائی کی شمشیر کو بہن کے سر سے غرض ہے تو لے یہ تیرے حوالے ہے، یہ کہا اور سر جھکا دیا اور جو تجھے میرا عذر سننے کی خواہش ہے تو پل کا پل اس تلوار کے کہے نہ چل، اپنی عقل کی رہنمائی میں چل کہ تو عقلمند ہے۔ تجھے چاہیے کہ تو ذرا غور سے میرا عذر سماعت کرے اگر وہ قابل پذیرائی نہ ہو تو پھر جو تیرا دل چاہے کرنا۔

عمر نے جب یہ بات بہن سے سنی تو ذرا جھجک گیا، تلوار نیچے کر لی اور کہا کہ پھر بتا جلدی تو کیا کہتی ہے۔ وہ کہنے لگی کہ آخر تو بہن کے گھر آیا ہے، کسی دشمن کے پاس تو نہیں آیا، ذرا تامل کر، یہاں بیٹھ اور حوصلہ سے سب بات سن میری جان جاتی ہے تو جائے، مگر مجھے افسوس تو نہ رہے کہ تم نے مجھ سے منصفی نہ کی، یہ سن کر عمر کا غصہ ذرا اور بھی ٹھنڈا ہو گیا اور بیٹھ گیا۔

بھائی بہن کی گفتگو

بہن بولی کہ بھائی عمر تقصیر تو میری یہی ہے کہ میں اللہ اور اس رسول ﷺ پر کیوں ایمان لائی ہوں، میں نے بتوں سے کیوں منہ موڑا ہے، بھائی اگر یہی میرا جرم ہے تو مجھے اس کا اقبال ہے۔ یہ درست ہے، میں نے ضرور ایسا کیا اور کفر سے توبہ کی، بھائی جان تو اگر اپنے تعصب کو ذرا دور کرے اور دل کے کانوں سے سنے، تو میں تجھے ایک چھوٹی سی بات کہوں وہ یہ کہ اے جان خواہر اگر وہ کلام جس سے میں اتنی متاثر ہوئی ہوں کہ مجھ سے موت کا ڈر ہٹ گیا ہے، اگر تجھے سنایا جائے اور تیرے دل پر بھی ایسا ہی اثر پیدا کرے، جیسا کہ اس نے مجھ پر کیا، تو پھر تو ہی بتا کہ تو اپنے لیے کیا سزا تجویز کرے گا؟ کیا پھر بھی تو میرے قتل کا خون ناحق اپنی گردن پر لے گا؟ میں اللہ کے نام پر جان دینے کو تیار ہوں اور مجھے مطلقاً موت کا ڈر نہیں ہے مگر تو بھی ذرا دل میں اتنا ضرور سوچ لے کہ اللہ کے حضور میں اس گناہ کبیرہ کا تو کیا جواب دے گا۔ جس کا مرتکب تو آج لوگوں کے بھڑکانے سے ہوا جا رہا ہے۔ تجھے بھی اللہ کو جان دینی ہے، آخر تیرا بھی حساب کتاب ایک دن ہونا ہے تو اتنا غافل نہ ہو اور ناحق ظلم روا نہ رکھ۔ اے میرے پرانوں سے پیارے بھائی اگر تو روز قیامت اپنی رہائی چاہتا ہے تو اللہ کے کلام کو سن۔ مانا کہ تو بڑا بہادر ہے اور رن بیر ہے۔ مگر میں مانوں تب اگر تو ایک مرتبہ کلام اللہ کو گوش و ہوش سے سنے اور پھر بھی آمادہ بہ قتل رہے۔

ہے۔ اے انسان تو منہ سے بول یا نہ بول، وہ بھیدوں کو اور بھیدوں سے بھی زیادہ چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے، وہ تمام کائنات کا خدا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ دنیا میں ہر ایک خوبی اور نیکی اسی کے نام سے ہے..... وہ گھڑی آنے کو ہے جسے میں نے سب لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہے۔ وہ جزا کی گھڑی ہے، جب کہ روح جیسا کرے گی۔ ویسا بھرے گی۔ دیکھو وہ شخص جو اس پر یقین نہیں لاتا اور جو اپنی نفسانی خواہش کا غلام بن رہا ہے، کہیں تجھے راہ حق سے نہ روک دے اور تیری تباہی کا باعث نہ ہو جائے.....“

جوں جوں عمرؐ یہ سنتا گیا، اس کا غصہ ٹھنڈا پڑتا گیا۔ آخر اس نے تلوار میان میں ڈال لی اور بے اختیار کہنے لگا۔

پیاری بہن، یہ کیا حقیقت ہے، اس میں کوئی بھید ضرور ہے ان بتوں سے تو اپنا بت نہیں بنتا، یہ زمین و آسمان یہ بنی نوع انسان کس نے بنائے، یہ کلام انسانی نہیں ہے، یہ کچھ اور ہی ہے، میری بہن تو میری خطا معاف کر اور میرے قصور سے درگزر کر، مجھے اب کچھ ہوا جا رہا ہے میں کیا جانوں یہ کیا ہے، میں کیا کرنے کو تھا، تو بہ میری تو بہ، بہن اٹھ چل اور مجھے لے چل اسی کے پاس جس نے یہ کلام تم کو بتایا ہے اور یہ روشنی تم کو دکھائی ہے۔

عمرؐ کا مشرف بہ اسلام ہونا

اس پر یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے گھر کی طرف روانہ ہو پڑے وہاں پہنچے اور جا دروازہ کھٹکھٹایا چند ایک اور آدمی بھی یہاں موجود تھے، ان کو علم تھا کہ آج عمرؐ دو عالم ﷺ کا سر کاٹنے کو تلوار لیے نکلا ہوا ہے۔ بس گھڑی ہے کہ پل، آیا کہ آیا، جونہی کہ انہوں نے آہٹ سنی، کبھی چپ ہو کے رہ گئے۔ آنحضرت ﷺ خود اٹھے اور جا کے دروازہ کھولا اور عمرؐ کو دیکھتے ہی بے ساختہ کہا کہ ”عمرؐ آخر کب تک تم میری جان کے قصد میں رہو گے۔“

ادھر عمرؓ کو دیکھو تو وہ گویا ایک تصویر بے جان ہے۔ دونوں ہاتھ باندھے، سر جھکائے آنکھیں زمین پر لگائے کھڑا ہے، بولنا چاہتا ہے مگر لب پہ سکوت طاری ہے۔

عمرؓ آنحضرت ﷺ کے قدموں پر گر پڑنے کو ہی تھا کہ آپؐ نے جھٹ سے اسے گلے لگالیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ اب جو عمرؓ نے آپؐ کو روشن نگاہ سے دیکھا تو حیرت حسن اور رعب رسالت سے اس پر ایک سکتہ کا عالم طاری ہو گیا، جو جو حرکات اس نے کی تھیں یا دوسروں کی انگینت سے جن کا وہ موجب ہوا تھا۔ یکے بعد دیگرے اس کی آنکھوں کے سامنے آ موجود ہوئیں، پیشانی نے شرم کے پسینے پر پسینے اس کی پیشانی پر بہائے اور دیر تک اس کے حوصلہ و ہمت جگہ پر نہ آئے۔ آخر جب دل نے ذرا قرار پکڑا اور طبیعت ٹھکانے پر آئے لگی تو عمرؓ نے آپؐ سے مخاطب ہو کر کہا، کہ یا محمدؐ تو نے مجھے کیا کر دیا، تیرے کلام میں کیا اعجاز ہے اور تیری زبان میں کیا تاثیر ہے، مجھے آج وہ آنکھ نصیب ہوئی ہے، جس سے میں تیرا حسن و جمال دیکھوں، اے شاہ حسن تو نے تو میرا دل لوٹ لیا، مجھ میں اب وہ تاب و توان کہاں کہ میں کچھ کہہ سکوں جو کہوں تو یہ کہ مجھ پر نگاہ کرم کر۔

بے حجابانہ در آ از در کاشانہ ما
 کہ کے نیست بجز درد تو درخانہ ما
 فتنہ انگیز مشو کا دل مشکیں بکشائے
 تاب زنجیر ندارد دل دیوانہ ما
 گر تکبیر آید و پر سد کہ بگو رہت تو کیست
 گویم آئینس کہ ربود این دل دیوانہ ما

ترجمہ:

1: ہمارے گھر کے دروازے سے بلا تکلف چلے آؤ، ہمارے گھر میں تمہارے درد کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔

2: فتنہ انگیز نہ بنو، خوشبودار زلفوں کو بکھیر دو، ہمارے دیوانہ دل کو زنجیر کی ضرورت نہیں ہے۔

3: اگر منکر نکیر آئیں اور پوچھیں کہ بتاؤ تمہارا رب کون ہے تو میں کہوں گا کہ وہ ذات جو اس دیوانہ دل کو اڑالے گئی۔

آپ نے عمرؓ کو داخل اسلام کیا۔ عمرؓ کے بیعت کرنے سے مسلمانوں کا رسوخ اور بھی بڑھنا شروع ہو گیا۔

حزہ کا باسلام ہونا

ان ہی ایام میں ایک اور واقعہ بھی ایسا ہی پیش آیا تھا۔ حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے رشتہ میں چچا تھے اور آپؐ سے بہت مانوس تھے، ایک دن حمزہؓ شکار کھیل کر جو واپس آئے، تو لونڈی نے کہا، صاحب آج ابو جہل نے ایسے ایسے نازیبا کلمات محمدؐ کو کہے ہیں کہ مجھ سے تو سنا بھی نہ جاتا تھا۔ وہ ﷺ تو بچا رہا ابولا تک نہیں، اس ﷺ نے زبان تک نہ ہلائی، آفرین ہے اس ﷺ کے حوصلہ پر، اس ﷺ نے اف تک نہیں کی میں تو مر کے مٹی ہو گئی کہ ہمارے محمد ﷺ کو یہ اتنا ذلیل و رسوا کریں اور ہم منہ دیکھا کریں، بھلا اس غریب کا تصور ہی کیا تھا اور اس ﷺ نے ابو جہل کا بگاڑ ہی کیا تھا۔ حمزہؓ کو یہ بات سن کر بڑا رنج ہوا اور اسے اس قدر طیش آیا کہ غصہ انتقام بن کر سر پر سوار ہو گیا۔ اس نے نہ حیلہ کیا نہ حجت، سیدھے ابو جہل کے گھر کی راہ لی ہاتھ میں صرف کمان تھی، یہی کمان اس نے ابو جہل کے سر پر دے ماری اور اسے زخمی کر کے چھوڑا اور اس سے کہا کہ تو نے کیا گھمنڈ اپنے دل میں بنا رکھا ہے، تجھے خبر نہیں کہ محمد ﷺ میرا برادر زادہ ہے، حمزہؓ نے وہاں سے واپس آ کر تمام واقعہ آنحضرت ﷺ کو سنایا اور مشرف بہ اسلام

ہو گئے۔ عمر اور حمزہ کی شمولیت سے جماعت اسلام کو بڑی تقویت پہنچی کیونکہ یہ دونوں بڑے رعب و رسوخ والے شخص تھے۔

سردار طفیل کا ایمان لانا

اسی اثناء میں ایک بڑا بھاری ذی عزت رئیس طفیل نامی اپنے کام کوائف کے لیے مد آیا۔ لوگوں نے اس کا بڑا استقبال کیا اور اس کی بڑی خاطر تواضع کی، باتوں ہی باتوں میں اس سے یہ تذکرہ بھی ہوا کہ یہاں ہم میں ایک شخص محمد ﷺ نام ایسا پیدا ہو گیا ہے کہ اس نے اپنے باپ دادا کا نام بدنام کر دیا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کی عزت خاک میں ملا دی ہے۔ خانہ عجب کے بت جن کا دیا ہم کھاتے ہیں اور جن کے سایہ تلے ہم رہتے ہیں ان کی تو جین کرتا ہے اور اپنے پرانے کسی کی نہیں سنتا، طفیل نے کہا کہ آخر اس کا اپنا دین کیا ہے اور اس کا امتقاد کس پر ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کسی ایک کا ذکر کیا کرتا ہے۔ کہ یہ تمام دنیا اس نے بنائی ہے اور وہ سب کا مالک ہے آسمان اس کے ہیں، زمین اس کی ہے۔ وہ ایسے ڈھکوسلے جوڑتا رہتا ہے۔ مگر ہم لوگ کان بند کر لیتے ہیں اور حتی الامکان اس ﷺ کی آواز اپنے تک پہنچنے ہی نہیں دیتے، آپ ہمارے شہر میں تشریف لائے ہیں، ذرا محتاط رہنا، وہ بڑا جادوگر ہے اور اس کا کلام سحر سامری ہے، جو ایک دفعہ سن پاتا ہے۔ وہ اسی کا ہو جاتا ہے۔ ایک دن ایسا سب ہوا کہ آنحضرت ﷺ قرآن پڑھ رہے تھے کہ طفیل پاس سے گزرا، وہ ہٹ دھرم آدمی نہ تھا، ہر چند مشرکین نے اسے ہدایت کر دی تھی، مگر وہ سنتا ہی رہا، کچھ ایسا متاثر کلام اللہ سے ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ نماز وظیفہ سے فارغ ہو کر گھر کو چلے، تو یہ بھی پیچھے پیچھے چلا گیا۔ آپ بہت تیز رفتار تھے، اسے راستہ میں تو موقع ہی بات کا نہ ملا، جب آپ گھر پہنچے تو طفیل حضور میں سامنے آ کر دوڑا نو بیٹھ گیا، وہ ایک بڑا صاحب جلال تھا، مگر اسے اپنے رتبہ کی کچھ سدھ بدھ اس

وقت نہ رہی۔ اسے آئی دھن پریم کی اور لگی لگن پر تیم کی، عشق اللہ نے اس کے اندر ایک ایسا جوش مارا کہ اس کا من محبت کی مستی سے سرور ہو گیا۔

ولم کز بادء جبار شد مست
 تنم از صحبت دلدار شد مست
 بہ مئے خانہ گزر کردم چو دیدم
 خطیب و قاضی و جبار شد مست
 ازیں سے جرعهء پاکیاں چشیدند
 جنید و شبلی و عطار شد مست
 گلستانِ ارم را سیر کردم
 چو دیدم سر بسر گلزار شد مست
 ازیں سے جرعهء دادند بمنصور
 انا الحق میزد و بر دار شد مست
 بروح پاک، شمس الدین تبریز
 کہ ملا، بر سر بازار شد مست

ترجمہ:

- 1: میرا اول شراب حق سے مست ہو گیا، میرا جسم محبوب کے قرب سے مست ہو گیا۔
- 2: جب میں سے کدے میں گیا تو میں نے دیکھا کہ واعظ، قاضی اور عاقل مست ہو گئے ہیں۔
- 3: اس شراب کا گھونٹ بڑے بڑے پرہیزگاروں نے پیا ہے۔ جنید، شبلی اور عطار مست ہو گئے ہیں۔
- 4: میں نے باغ جنت کی سیر کی ہے۔ میں نے دیکھا کہ سارے باغ پر مستی چھانی ہوئی ہے۔

5: اسی شراب کا ایک گھونٹ منصور کو دیا گیا۔ اس نے نعرہ انا الحق باندی اور تختہ دار پر مست ہو گیا۔

6: شمس الدین تبریز کی پاک روح کو تبریک کہ جس کے اثر سے مولانا (رومی) بھرے بازار میں مست ہو گئے۔

طفیل نے حضور میں عرض کی کہ.....

یا محمد! تیری آواز جو میرے کانوں میں پڑی، وہ میرے ہوش و خرد لے آئی۔ میں اسی لیے تیرے قدم بقدم چلا آیا ہوں۔ اب میں تیرا دروازہ چھوڑنے کا نہیں۔ لوگ کہتے تھے جو تجھ ﷺ سے ملتا ہے۔ وہ تیرا ہی ہو جاتا ہے۔ بس مجھ سے وہی ہوئی۔ یہ کلام جو تو پڑھا تھا۔ میں نے سنا۔ وہ میرے دل میں گھر کر گیا۔ مجھے بتائیے یہ کیا ہے مجھے سب کچھ سمجھائیے مجھے اپنا خدا دکھائیے ضرور کوئی خدا ہے اور بالضرورت تو اس کا پیغمبر ہے۔ یا محمد ﷺ! مجھے تیری روشنی میں نور نظر آ رہا ہے۔ میری آنکھ اب کھلی ہے۔

اے شیشہ خورو، تیری خوبی کی جناب میں ایک بے نوا گدا دست سوال دراز کئے کھڑا ہے۔ دے اسے زکوٰۃ حسن اپنے نام کی اور اپنے اللہ کے نام کی۔
یا محمد ﷺ! کرا ایک نگاہ مہرا دھر بھی۔

سیمیں ذقا، سنگدلا، لالہ عذارا!
خش کن بنگا ہے دل عمدیدہ مارا
من چوں گزرم از سر کوئے تو کہ آنجا
یارائے گزشتن نبود باد صبا را
جای نکلند جز ہوس بزم تو لیکن
در حضرت سلطان کہ دہد بار گدارا

ترجمہ:

- 1: اے چاند کے وجود والے، صاحب جلال اور پھول کے جسم والے ہمارے غمزہ دل پر نگاہ مسرت فرما۔
 - 2: وہ میں ہوں جو آپ کے کوچے سے گزرتا ہوں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں تباد صبا کو بھی گزرنے کا حوصلہ نہیں۔
 - 3: جامی آپ کی محفل ناز میں آنے کا حوصلہ نہیں رکھتا لیکن شہنشاہ خود فقیر کو اپنے دروازے پر طلب فرما لیتے ہیں۔
- بھلا طفیل جیسا نامی گرامی شخص، بارعب و بارسوخ سردار مشرف بہ اسلام ہوا، زشرکین مکہ خاموش رہیں، یہ کہیں ممکن تھا، ان کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔

باب 9

مصیبت پر مصیبت

خدیحہ کی رحلت

ان ہی ایام میں آپؐ کو ایک بھاری مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت خدیجہؓ وفات پر بیمار ہو گئیں۔ ان کا آخر وقت آپہنچا اور طائرِ روح جسمِ خاکی سے پرواز کر گیا۔ مومنین کو ام المومنینؓ کی وفات کا بڑا بھاری صدمہ گزرا، مگر سید المسلمینؐ کے دل پر جو صدمہ مسلمہ اول کے گزر جانے سے ہوا، اس کا رقم کرنا قدرتِ قلم سے باہر ہے، جو چوٹ نبی التَّوَّابِؐ کے دل پر اس پاک روح کے گزر جانے سے پہنچی، جس نے تمام عالم میں سب سے پہلے آپؐ کی نبوت تسلیم کی تھی، اس کا بیان طاقت انسان سے بعید ہے، جس حبیبِ خدیجہؓ کا خدیجہؓ جیسا محبت اس کے پہلو سے کنارہ کر گیا ہو۔ اس کے غم و اندوہ کا تذکرہ بشر کے مقدور سے دور ہے۔

اس موت سے یک قلم آپ کے سر پر ایک کوہِ غم آٹوٹا، اور یہ لازم تھا کیونکہ خدیجہؓ بڑے پایہ کی رفیق اور بڑی خوبی کی بھی تھیں، خدیجہؓ وہ تھیں جس نے اپنا زر و مال، اپنا جاہ جلال اس ماہِ جمال پر تصدق کر دیا تھا، اپنے پرتم کے چین کو اپنا سکھ اور اس کے درد کو اپنا دکھ بنا لیا تھا اور اپنے پرانوں سے پیارے پیا کی پوجا اپنا دھارن دہار لیا تھا، ایسی روح کی دنیا سے رحلت اگر آنحضرتؐ کی خوشی کی رحلت نہ ہوتی تو اور کیا ہوتی۔ رفیقہ حیات کی یاد اس شہِ دو عالمؐ کے صفحہء دل پر ایسی نقش ہوئی کہ پھر اپنی زندگی کے ساتھ ہی گئی، آپؐ خدیجہؓ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ دنیا میں چار عورتیں نہایت اعلیٰ درجہ پا چکی ہیں،

حضرت عیسیٰ کی ماں مریم، فرعون کی بیوی آسیہ، آنحضرت ﷺ کی زوجہ خدیجہ اور آنحضرت ﷺ کی لڑکی (خدیجہ کے لطن سے) فاطمہ۔

ابوطالب کی وفات

اللہ کی قدرت، مصیبت پر مصیبت نے آپ کو آمنہ دکھایا، اسی سال بزرگ ابوطالب بھی راہی ملک عدم ہو گئے۔ وہ دادا کا جانشین اور باپ کا قائم مقام چلتا ہوا، وہ یتیم کا والی اور نابالغ کا سرپرست چل بسا، یکا یک آپ کے دل کو درد نے آگھیرا اور طبیعت پہ قلق نے قابو پالیا، دل میں بارہا یہی خیال آتا کہ میرے لیے میری دلدار خدیجہ اور میرے جانشین چچا نے کیا کچھ نہ کیا، کیا جان کی راحت اور کیا تن کا آرام، سب ہی کچھ انہوں نے چھوڑا، نثر عمر بھر وفا سے منہ نہ موڑا، کیا آج میں اس دنیا میں بغیر ان دلدادوں کے ہوں ارمان صدارمان، اب میرے دکھ میں کون روئے گا اور کون میرے درد میں شریک حال ہوگا۔ ایک زمانہ میرے ساتھ جنگ و جدل پر ہے اور ایک دنیا میرے قتل پر آمادہ، اب کون میرے دکھے دل کو سہارا دے گا اور کون اس آتما کی ڈھارس بنے گا۔

دعا بدرگاہ مولیٰ

”اے میرے مولا میری مدد کر میرے کارساز، میرا بگڑا کام بنا، مجھے ذات سے بچا کہ میں بہت ذلیل ہو چکا ہوں، تو بندہ نوازی کر کہ میں تیرے کتر بندوں سے ہوں اے پاک ذات تو میرے گناہوں پر چشم پوشی کر کہ میں مستحق چشم پوشی ہوں، اے کریم مجھ پر نظر کرم کر کہ میں ملتجی کرم ہوں۔ اے خداوند میں اپنے ضعف و ناتوانی اور مصیبت و پریشانی کا حال تیرے سوا کس سے کہوں، مجھ میں صبر کی طاقت اب تھوڑی رہ گئی ہے۔ مجھے اپنی مشکل حل کرنے کی کوئی

تدبیر نظر نہیں آتی، میں اب سب لوگوں میں ذلیل و رسوا ہو گیا ہوں۔ اے خداوند عالم تیرا نام
 ارحم الراحمین ہے۔ عاجزوں کی عذر پذیری اور مظلوموں کی دستگیری تیری خاص صفت ہے۔
 اے پروردگار تو ہی ہر شکستہ حال کا مددگار ہے اور یہ عاجز تیری عنایت اور مدد کا بہرہ امیدوار،
 میں نہایت کمزور ہوں لیکن اے رحیم تیرا رحم میری امیدوں سے بہت زیادہ وسیع ہے، تیری
 رحمت کا نور دین و دنیا کی تاریکیوں کا دور کرنے والا ہے، یہ طاقت تیرے سوائے اور کسی میں
 نہیں۔“

تا ابد یا رب ز تو من لطف با دارم امید
 از تو گر امید بپریم از کجا دارم امید
 زیستم عمرے بے چوں دشمنان دشمن مگر
 بیوفائی کردہ ام از تو وفا دارم امید
 ہم فقیرم ہم غریبم بیکس و پیار و زار
 یک قدح زان شربت دارالشفای دارم امید
 تا امید از خود و از جملہ خلق جہاں
 از ہمہ نومیدم، اما از تو میدارم امید
 ملجائے کار تو دائم کہ آمرزیدن است
 زانکہ من از رحمت بیمنجا دارم امید
 ہر کے امید دارد از خدا و جز خدا
 لیک عمرے شد کے از تو من ترا دارم امید
 ہم تو دیدی من چہا کر دم تو پوشیدی ز لطف
 ہم تو میدانی کہ از تو من چہا دارم امید

روشنی چشم من از گریہ کم شد، اے حبیب!
 ایں زماں از خاک کویت تو تیا دارم امید

ترجمہ:

- 1: اے میرے اللہ! میں ہمیشہ کیلئے آپ کے لطف کی امید رکھتا ہوں اگر آپ سے امید اٹھالوں تو پھر کہاں امید باندھوں۔
- 2: میں نے ایک عمر اس طرح گزاری ہے جیسے دشمن سے دشمنی کی جاتی ہے۔ میں نے آپ سے بے وفائی کی ہے مگر آپ سے وفا کی امید باندھ رکھی ہے۔
- 3: میں فقیر بھی ہوں غریب بھی ہوں بے کس بھی ہوں بیمار بھی ہوں اور رونے والا ہوں۔ اس شعر سے شربت شفا کی ایک صراحی کی امید رکھتا ہوں۔
- 4: میں خود سے بھی ناامید ہوں اور جہاں بھر میں سب سے ناامید ہوں مگر تجھ سے امید رکھتا ہوں۔
- 5: آپ کی آخری صفت تو بخشنا ہے اس لیے میں آپ سے بے انتہا امید رکھتا ہوں۔ ایک عمر ہو گئی ہے میں نے تجھ سے امید قائم کر رکھی ہے۔
- 6: ہر کوئی خدا سے امید رکھتا ہے۔ میں نے اللہ کے سوا ہر کسی سے امید اٹھالی ہے۔ ایک عمر ہو گئی ہے میں نے تجھ سے امید قائم کر رکھی ہے۔
- 7: تو دیکھتا ہے کہ میں نے خود ہی تیرا لطیف پوشیدہ پایا ہے اور تو جانتا ہے کہ میں نے تجھ پر کس طرح امید باندھ رکھی ہے۔
- 8: اے میرے دوست، میرے اشک بہانے سے میری بینائی کم ہوئی ہے، اس وقت میں نے تیری گلی کی خاک سے ہی نظر کی روشنی کی امید رکھی ہوئی ہے۔

باب 10

ہجرتِ مدینہ

طفیلؓ تو اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر اور اسلام کا سہرا اور کٹ ماتھے پر باندھ کر واپس اپنے وطن کو چلے گئے۔ مگر آنحضرت ﷺ کے لیے نئی اذیتیں و مصیبتیں پیچھے چھوڑ گئے۔ مکہ والے پہلے ہی سے جلے بھنے بیٹھے تھے۔ اب طفیلؓ کے قبول اسلام سے ان کے اندر آگ اور بھی بھڑک اٹھی۔ کفار نے آپؐ پر تعدی کرنے میں کوئی حد نہ چھوڑی اور ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔

آنحضرت ﷺ کے درووں کی حقیقت اب ناگفتہ بہ تھی۔ نہ بزرگ ابوطالب سا درو مند چچا پاس تھا، نہ حضرت خدیجہؓ سا عمگسار پہلو میں۔ اس پر آئے دن نیا عذاب اور روز نیا عتاب، جوں جوں دنیا کے دکھ بڑھتے گئے۔ عشقِ اعلیٰ کا درد بھی ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔ محبتِ مولا اور ہجر حق نے دنیا کی منزلیں اب اور بھی دشوار کر دیں۔

مکان یار دور و من مدارم طاقے در دل
عجب در مشکل افتادم چساں طے سازم این منزل
کیا کہوں کس سے کہوں دیس پیا کا دور
اڑ نہ سکوں گر گر پڑوں رہوں ٹھور کی ٹھور

(میرے محبوب کا مکان دور ہے اور میں یہ طاقت نہیں رکھتا عجب مشکل میں گرفتار ہوں کہ یہ منزل کیسے طے کروں)

جب ان ظالموں کا ظلم برداشت کی حد سے بہت بڑھ گیا تو آپؐ نے امت کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنے برادران دین کی جو حبشہ ہجرت کر گئے تھے پیروی کریں، مگر بجائے حبش کے یہ اب مدینہ کا رخ کریں کیونکہ اس نگر کی دھرتی دھرم کے پودے کو اچھا مانتی ہے، پسند ایک مدنی آنحضرتؐ کی بیعت بھی کر چکے تھے اور باہر سے بھی اب خال خال مسلمان مدینہ آنے شروع ہو گئے تھے۔ اس لیے آپؐ نے حبش سے مدینہ منورہ کو ترجیح دی۔

جدید منصوبہ آنحضرت ﷺ کے قتل کا

مومنوں نے ایک ایک دو دو کر کے مکہ سے نکلنا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ سب کے سب ہی شہر سے باہر چلے آئے۔ باقی یہاں اب صرف نبی اللہ ﷺ، علیؑ اور ابو بکرؓ مع اپنے اپنے عیال اطفال رہ گئے قریش مکہ نے جب یہ حالت دیکھی تو انہوں نے صلاح ٹھیرائی کہ محمدؐ سرغنہ چونکہ اب اکیلا ہے۔ ہمراہی اس کے صرف دو تین ہی کس ہیں۔ اس ﷺ کو یہاں سے جیتا جی نکلنے نہ دیا جائے۔ اب وقت ہے۔ اس ﷺ کا کام تمام کر دیا جائے اس ﷺ نے اپنا ایک گروہ حبشہ بھیج دیا ہے۔ پس ماندگاں کو اب اس نے مدینہ کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ اب بات ایسی کرو کہ یہ یہاں سے بچ کر نہ نکلنے پائے۔

مگر جائے استاد خالی است، ابو جہل بول اٹھا کہ یہ صلاح سوٹھ تو سب صحیح ہے لیکن محمدؐ کے قتل کرنے کے لیے ایک آدمی مخصوص کر دینا مناسب نہ ہوگا۔ بالکل ممکن ہے کہ اس کے وارثوں میں سے کوئی شخص ایسا نکل پڑے، جو قاتل سے قتل کا انتقام لے یا ”خوں بہا“ کا مطالبہ کرے۔ اگر معاملہ یہ صورت پکڑ گیا تو بات بگڑ جائے گی۔

ابو جہل نے چنانچہ یہ تجویز پیش کی کہ بجائے اس کے کہ کوئی خاص آدمی اس قتل پر مامور کیا جائے۔ بہت سے آدمی اکٹھے ہو کر محمد ﷺ پہ جا کے ٹوٹ پڑیں اور وہیں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں یہ رائے سب کو پسند آئی اور سب نے اس منصوبہ کی داد دی۔

جب یہ پخت و پز ہو گئی اور صلاح قتل بے گناہ کی پک گئی تو ابو جہل چند ایک اپنے ہمراہی ساتھ لے کر قتل کی نیت سے گھات میں جا بیٹھے۔ یہ لوگ اب منتظر تھے کہ جو موقع پائیں محمدی لہو کے پیاسے خنجر آپ کے خون سے سیراب کر لائیں اور مکہ کے قتل گڑھ میں عرف عام پائیں۔ شان ایزدی دیکھیے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی ہجرت کے لیے یہی رات منتخب کی تھی۔ دشمنوں نے گھر گھیر رکھا تھا۔ آپ نے حضرت علیؑ کو جگایا اور فرمایا کہ میرے بستر پر سو جاؤ۔ علیؑ نے بخندہ پیشانی اس حکم تعمیل کی۔ آپ نے وضو کیا، نماز پڑھی اور دروازہ کھولا۔ دیکھا تو بہت سے قاتل دروازے پر پھر رہے تھے۔ اس وقت ان میں سے نکلنے کا حوصلہ ہی کر سکتا تھا جس کو اپنے خدا پر بھروسہ ہو، آپ نے قاتلوں کی کچھ پروا نہیں کی ان کے سامنے سے گزرتے ہوئے چلے گئے۔ اور ابو بکرؓ کے گھر جا پہنچے۔ وہاں سے ابو بکرؓ کو ساتھ لیا اور رات کی تاریکی میں طواف کیا اور فرمایا کہ اے واحد خدا کی عبادت گاہ میں تیرے قریب رہنا اور تیری خدمت کرنا چاہتا ہوں مگر یہ بت پرست مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے اس لیے جدا ہونا ہوں انشاء اللہ پھر ملوں گا۔

یہاں سے آپ آگے بڑھتے گئے اور مکے کی حدود سے آگے نکل گئے اور جب صبح ہوئی تو قاتلوں نے دروازہ توڑا۔ دیکھا تو علیؑ مزے کی نیند سوتے تھے۔ حیران رہ گئے۔ پوچھا محمد ﷺ کہاں ہیں۔ علیؑ نے جواب دیا مجھے کیا معلوم وہاں سے وہ دوڑے ہوئے ابو بکرؓ کے گھر پہنچے۔ مگر وہاں کیا رکھا تھا۔ غصہ اور کرودھ کا بھوت ان کے سر پر ایسا سوار ہو گیا کہ ان کی شکل ڈراؤنی اور صورت مہیب بن گئی۔ رنگ ان کا غصے سے کالے ناگ سا ہو گیا۔ اور آنکھوں

سے خون برسنے لگ گیا اور کیوں نہ ہوتا ان کے ہاتھ سے تو شکار جاتا رہا اور دوسرے نخلت و ندامت شہر بھر کی ان کو اٹھانی پڑی کہ یہ سب کچھ کیا بھی مگر پھر بھی ہاتھ کچھ نہ آیا ان لوگوں نے دیوانہ وار مکہ میں شرق سے غرب اور شمال سے جنوب دوڑ دوڑ کر چپہ چپہ زمین چھان ماری مگر وہ کام دل ان کو حاصل نہ ہوا اور نہ وہ صید ان صیادوں کے ہاتھ چڑھا۔ دشمنوں نے بڑے بڑے انعام و اکرام رکھے کہ جو بد کردار اس نیکو کار کی گردن کاٹ کر لائے گا، اسے بہت کچھ مال و متاع دیا جائے گا مگر کہاں رسول خدا ﷺ کہاں بندہ کہتر۔ کجا رام کجا ٹیں ٹیں۔

غار کے منہ پر عنکبوت کا جالا

آنحضرت ﷺ نے غار ثور میں جو مکہ سے ڈھائی میل کے فاصلہ پر تھی۔ آپنالی۔ ابو جہل کا گروہ اس غار کے عین سامنے سے گزرا مگر ان کو ایسا دکھائی دیا جیسا کہ غار کے منہ پر ایک عنکبوت نے جالاتن دیا ہوا ہے۔ بلکہ ایک تتری نے اس پر انڈے بھی دے دیئے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے یہ تصور کر لیا کہ اگر یہاں کوئی آدمی اندر داخل ہوا ہوتا، تو اس غار کے منہ پر جالا کیسے بنا رہتا اس لیے وہ اندر داخل ہی نہ ہوئے اور پاس سے گزر گئے۔

الغرض جو جو راستے اپنی بد عملی کو سرانجام دینے کے لیے ان بد اعمالوں کو سوچھے ان سبھی پر انہوں نے عمل کیا۔ مگر ان کو مراد دل حاصل نہ ہوئی۔ خاتم النبیین ﷺ کا خاتمہ کرنے والے اپنی کرتوتوں کا آپ ہی خاتمہ کر کے آخر دست حسرت مل کے بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ تین روز کے بعد غار سے نکل کر مدینہ آ پہنچے۔ ادھر علیؑ بھی دشمنوں کے داؤ پیچ سے بچ کر آپ کے پاس مدینہ آئے۔

اے آمدت باعث آبادیء ما

مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی آمد

مومنین مدینہ کو موہن کا کھڑا دیکھ چاند چڑھ آیا۔ مسرت کی مدت سرور ہونے جاتے تھے اور کسی کی پریم میں چور۔ جگہ جگہ انہوں نے شادیاں بجاے اور گہروں میں گھی کے چراغ جلائے۔ ہر شخص آپ سے یہی کہتا تھا کہ میرے ہی گھر چلے اور قیام کا شرف مجھے ہی دیجیے اگر محبت میں رشک نہ ہو اور عشق میں رقابت نہ ہو تو پریم کی جوت کاویا بجا۔ یونہی ہے۔ لوگ بے قرار ہوئے جاتے تھے کہ دیکھیے آج محمد مہمان ﷺ کے اپنا میزبان منتخب رہتا ہے اور کسے آج یہ عزت ابدی بخشا ہے۔ آنحضرت ﷺ امت کا یہ شوق و رغبت اور یہ جوش محبت دیکھ کر بڑے بتاش تھے، ساتھ ہی آپ کو یہ احساس بھی تھا کہ کسی کا دل نہ دکھے۔ جو شخص اپنے دشمن کی دل آزاری برداشت نہ کر سکتا تھا وہ بھلا اپنی امت کے کسی بشر کی دل شکنی کب گوارا کرتا۔ آپ نے سب کو مخاطب ہو کے کہا کہ بھائی مسلمانوں! میں اپنی اونٹنی کی مبار چھوڑ دیتا ہوں، جہاں وہ جا کے ٹھہر جائے، بس وہی میرے ٹھکانے کی جگہ ہوگی۔ تم سب اس پر رضا مندی ظاہر کرو، سب نے آمین کہی، اب ہر ایک منتظر تھا کہ دیکھیے کس کی قسمت آج رنگ دکھائی ہے۔ مگر ایوب انصاری کے نصیب کا بھی تو کوئی ہی پیدا ہوا کرتا ہے۔ ذات حق کو اس کا نام عالم میں قائم رکھنا تھا، اونٹنی اس کے گھر کے آگے آگے ٹھہر گئی، بچارہ ایک مفلس مومن اور بیکس بشر تھا، مگر بھاگوں کا بڑا دھنی نکلا۔ اونٹنی کا وہاں ٹھہرنا تھا کہ لوگ اسے مبارک پر مبارک دینے لگے اور اس کے اپنے دل کی خوشی اور مسرت کی تو کوئی حد ہی نہ رہی جس جگہ محمدی ناقہ جا کے بیٹھا تھا وہاں اب تک مسجد نبوی موجود ہے۔ اسے آنحضرت نے خود اپنے دست مبارک سے اور اپنے اصحاب کی شمولیت سے کچی اینٹوں اور کھجور کی لکڑیوں سے کھڑا کیا تھا۔

آغاز اذان

مسلمانوں کی تعداد چونکہ اب دن بدن بڑھ رہی تھی مسجد میں نماز کے لیے گھر گھر جا کے لوگوں کو بلانا کٹھن معلوم ہونے لگا۔ آنحضرت ﷺ نے اصحاب سے صلاح پوچھی کہ کوئی ایسی تجویز بتائی جائے جس سے سب ہی کو نماز کے لیے ٹھیک وقت پر اطلاع مل جایا کرے۔ کسی نے کہا، گھنٹا بجاؤ، کسی نے کہا آگ جلاؤ، کسی نے کہا قوس کھٹکاؤ، ”مگر ہر کس بقدر ہمت اوست“ حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ ان بیجان چیزوں سے جو بھلا کام لیتے ہو کیوں نہ انسان خود انسان کو اور خدا کو خدا کے نام سے بلائے تاکہ لوگوں کو یہ علم بھی ہو جائے کہ خدا کی عبادت۔۔۔ لیے بلایا جا رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ تجویز پسند کی۔ آغاز اذان اس طرح پر ہوئی۔

باب 11

سردارِ مدینہ ﷺ

آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے باشندوں میں قومیت کی ایک روح پھونک دی تھی، کیا مسلم کیا کفار اور کیا مہاجر کیا انصار، سبھی نے ایک دوسرے سے اتحاد اور اتفاق کا سبق سیکھ لیا اور وہ پرانی عربی عادت اور برے خصائل ترک کر دیئے۔ آپ نے انہیں بخوبی ذہن نشین کرایا کہ خواہ ہم میں اختلافات کچھ بھی ہوں مگر ہم لوگوں کو قومیت کا احساس رکھنا لازم ہے، بغیر اس کے کوئی قوم فلاح نہیں پاسکتی اگر ہم لوگ باہمی تنازعات میں ہر وقت الجھے رہیں گے تو دائمی کسی نہ کسی غیر کی اطاعت میں ہی رہیں گے۔ ہر بشر کو چاہیے کہ مقدم خیال و اپنی قوم کا دل میں رکھے اور اپنی ذاتی خواہشات کو قومی خیالات پر کبھی ترجیح نہ دے، جو شخص ترجیح دیتا ہے وہ انسان کے درجہ سے اتر کر حیوانوں کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ شیوہ حیوان کا ہے کہ وہ صرف اپنا ہی پیٹ پالن کر سکتا ہے۔ ہم جنسوں کا اسے کچھ فکر نہیں ہوا کرتا، کیونکہ اسے سوچ اور سمجھ کی طاقت اللہ نے اتنی ہی عطا کی ہے مگر انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ اسے فکر کی طاقت اللہ نے دی ہے، لازم ہے کہ تم انسان کا جامہ پہن کر انسان کے خصائل اختیار کرو اور اپنی قوم کا ہر وقت خیال مقدم رکھو، قومیت کا سب سے اول اصول یہ ہے کہ قومی معاملات میں امتیاز فرقہ و جماعت بلا وجہ نہ رکھو، اسے تعصب کہتے ہیں یہ ہٹ دھرمی ہے اور اس نے اکثر قوموں کو دیمک کی طرح کھالیا ہے اے مدینہ والو! یہ تعصب بری بات ہے، اس سے بچنا۔

بارہا نا لیدو گفت اے قوم ما بیدار شو
لوگ اس نصیحت پر کار بند ہونے لگے اور ان میں یکجہتی اور یگانگت کے آثار بھی
نمودار ہونے لگے۔ اب ان کو خود بخود ایک ایسے شخص کی ضرورت محسوس ہونے لگی جو قوم کا
راہنما ہے، گری ہوئی قوم کا یہ خاصا ہے کہ ہر ایک ان میں یہی سمجھتا ہے کہ ”ہم چو ماد گیرے
نیست“ ہر ایک دوسرے کے نقائص چھاٹنا رہتا ہے مگر اپنے عیوب کی اصلاح نہیں کرتا۔ ہر
ایک دوسرے سے اختلاف رائے رکھتا ہے، مگر متفق رائے ہونے کی کوئی سعی نہیں کرتا۔

اہل مدینہ کی جب حالت سدھرنی شروع ہوئی تو انہوں نے فوراً ہی یہ عیب اپنے
آپ میں تازہ لیا کہ ان کا پرانا رویہ ایک شتر بے مہار کا سا تھا۔ جدھر جس کا منہ اٹھا، ادھر ہی چل
دیا نہ کسی سے صلاح تھی نہ کسی کا مشورہ۔ تنظیم کی طاقت ان پر پہلی دفعہ اب نمایاں ہونے
لگی۔ جتھے بندی کی خوبی اور جھتیدار کی ضرورت انہیں پہلی مرتبہ اب محسوس ہوئی لیکن اب ان کو
ایک سردار مل گیا تھا جس سے بڑھ کر سلیم رائے ہر ایک کی ضرورت کو سمجھنے والا، ہر ایک کی
بھلائی کا خواہاں دنیا نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ یعنی دنیا کے سرداروں کا سردار ”مہامت“ محمد ﷺ
ہی تھا۔ آپ کے اوصاف حمیدہ سرداروں سے بہتر تھے اور صفات ستودہ تاجداروں سے بڑھ
کر مسلم و نامسلم مدینہ کے بخت خفتہ بیدار ہوئے اور سب نے بالاتفاق آنحضرت ﷺ کو اپنا
سردار مان لیا۔ اب آپ حاکم مدینہ منورہ تھے مگر ایسے حاکم جو دلوں پر حکومت کرتے تھے جو نہ
تخت رکھتے تھے نہ تاج مگر جس کا حکم سینوں میں دلوں کو لڑا دیتا تھا۔ آپ کی امت پر جو تعدی
نامسلم لوگوں نے روا رکھی وہ تو درکنار ہی مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ جو بد اخلاقی
اور بے رحمی کفار نے کی اسے سن کر جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عرصہ دراز تک یہ لوگ
خاموش رہے۔ آخرش مجبور ہو گئے جب جان پر آبنے تو ظالم کے پنجہ سے اپنی اور اپنے بال بچہ
کی جان بچانا انسان پر ایک فرض اعلیٰ ہو جاتا ہے۔ دنیا میں آخر ہر چیز کی ایک حد ہوا لرتی ہے۔

یہاں معاملہ حد سے کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا۔ جل جس قدر بھی سیتل اور ٹھنڈا ہے تیرائی کی تپش سے وہ بھی اسی طرح تپ جاتا ہے اور ایسے ہی جلاتا ہے جیسے کہ آگنی خود۔

ان سیتل سجاؤ اور نیک خومسلمانوں کو مشرکین مکہ نے آگ کے ایک جتے جتے تندور میں ڈال دیا ہوا تھا۔ ان کی بے کسی کا یہ عالم تھا کہ ان کے لیے اب ”نہ پائے رفتن نہ جانے ماندن“ تھی۔ جائیں تو کہاں اور کریں تو کیا۔

مسلمان اصولاً لڑائی سے بہت کتراتے تھے۔ دراصل وہ لڑائی کی طاقت بھی نہ رکھتے تھے۔ ان کا ایک گروہ مکہ سے نکل کر حبشہ چلا گیا تھا۔ دوسرا مشرکان مکہ کی تعدی سے نکل آ کر مدینہ میں ہجرت کر آیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے خود غاروں میں جا پناہ لی۔ طرح طرح کی اذیت و مصیبت اٹھائی مگر لڑائی کا قصد نہ کیا۔ ایسے فرقہ پر یہ گمان لانا کہ وہ ملک گیری کی تمنا میں آمادہ جنگ رہا کرتا تھا۔ ایک امر و نا واجب ہے۔ یہ خیال کہ ایک منٹھی بھر مسلم انچہ عرب کے وحشی و خونخوار کفار سے لڑائی پر تلے رہتے تھے قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ اتنی تھوڑی بساط سے ایک پہاڑ سے جا ٹکر مارنا یہ اسی کا کام ہو سکتا ہے جس کا اپنا سر چکرایا ہوا ہو۔ آنحضرت ﷺ جیسے ”عقل کل“ کی نسبت یہ خیال پیدا کر لینا کہ وہ اپنی جماعت کو ایسی مصیبت میں پھنسانے سے بھی گریز نہ کرتے تھے ایک بے سمجھ مورکھ اور جاہل اجہل ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ قوی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ جہاں مسلمانوں نے ہتھیار اٹھائے یا تو اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو دشمنوں کے پنجہ سے چھڑائیں اور یا اس لیے کہ دوسرے مظلوموں کو ظالموں سے نجات ملے اور اسلام کا نام دنیا میں قائم رہ جائے۔

باب 12

جنگِ بدر

ایک شخص عبداللہ بن ابی مدینہ کا باشندہ جو شوق شاہی دماغ رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ مدینہ والوں کا بادشاہ بن جائے گا اس نے ایک تاج بھی اپنے لیے تیار کرایا تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے یہ تاج دھرا رہ گیا۔ آپ کے اقبال اور روز افزوں جلال کا حاسد ہو گیا، مکہ والے تو پہلے ہی آپ کی جان کے دشمن تھے، دشمن کا دشمن دوست ہوا کرتا ہے، اس نے ان سے گانٹھ لی اور اندر ہی اندر ساز باز کرتا رہا اور جاسوس بن بیٹھا، مکہ والوں سے اس نے عہد و پیمان کر لیا کہ اگر تم مدینہ پر حملہ آور ہو گئے تو میں تم کو بہ طرح کی مدد امداد دوں گا اور مکہ والوں نے یہ اقرار کر لیا کہ ہم مدینہ فتح ہو جانے پر تم کو حاکم مدینہ بنا دیں گے، مسلمانوں کو بھی کھٹک گئی کہ ایک تو یہاں یہ مار آستین ہم میں موجود ہے، آڑے وقت پر ضرور کوئی حرکت کرے گا دوئم ان کو یہ بھی علم تھا کہ مکہ کے کفار تو صرف موقع ہی کے انتظار میں ہیں جب بھی داؤ ان کا لگ گیا، ضرور ہم پر حملہ کریں گے۔ اتفاق ایسا پیش آیا کہ ان دنوں ایک قافلہ قریش کا شام سے واپس آ رہا تھا اور اس کو مدینہ کے قرب جوار سے گزرتا تھا پور کی واڑھی میں تنکا، سردار قافلہ ابوسفیان کو کچھ شک گزرا کہ مکہ اور مدینہ کی مخالفت بہت بڑھ رہی ہے ایسا نہ ہو کہ مدینہ والے کچھ مقابلہ ہی کر بیٹھیں اور ہم لوگ اپنا مال و متاع نقصان کرا جائیں، سردار نے ایک قاصد مکہ دوڑایا اور مکہ والوں سے مدد مانگی، قاصد نے اپنے اونٹ کے کان کتر دیئے،

کچا وہ لٹے رخ لگالیا اور پیرہن چاک کر دیا اور ایک نرالی شکل وضع بنا کر داخل شہر ہوا۔ قاصد کو یہ خوب سوجھی کیونکہ اس سے اس کی آمد کی منحوس خبر چاروں طرف آنا فانا پھیل گئی۔ لوگ سب اکٹھے ہو گئے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا کہ محمدؐ اور ان کے ساتھی ہمارا مال لوٹنے پر آمادہ ہیں۔ تمہیں تو خبر ہے کہ جس نوع کے وہ انسان ہیں تم سے کچھ بن سکتا ہے تو بناؤ۔ ورنہ اپنے مال متاع سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ یہ خبر ملنی تھی کہ مکہ میں جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ جو لوگ سمجھدار تھے وہ آخری لمحے تک لڑائی کے مخالف رہے مگر عرب کی عقل جتنی بھی اعلیٰ تھی ابو جہل نے جہالت کے سامنے ہچ تھی۔ اس نے کسی کی بات نہ چلنے دی۔ سب پر غالب رائے ہوئی۔ لوگوں کو اس نے آمادہ جنگ کر لیا اور اپنا لاؤ لشکر لے کر مدینہ پر دھاوا کرنے کو نکل پڑا ادھر نہ دار قافلہ اپنا راستہ تبدیل کرنے کے صحیح سلامت مع اپنے کل مال و متاع مکہ بھی پہنچ گیا اور اس نے پہنچتے ہی ابو جہل کو بہت سمجھلایا کہ مدینہ پر تمہارا حملہ کرنا مطلقاً یعنی ہے مگر وہ شخص اگر نام کا ابو جہل تھا تو کروت کا بھی ایک نکل ابو جہل تھا۔ آخر اپنی جہالت سے نہ ملا اس نے میدان کارزار نرم کر ہی دیا۔ آنحضرت ﷺ کو بھی یہ معلوم ہو گیا تھا۔ آپؐ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت ساتھ لے کر مدینے سے نکلے تھے اور بدر کے مقام پر آپہنچے تھے۔

ابو جہل ایک ہزار جوان ساتھ لایا تھا آنحضرت ﷺ کے ساتھ قریباً ۳۰۰ آدمی تھے جن سے ۸۰ مہاجرین تھے باقی انصار، مگر سب کے سب لڑنے مرنے پر تیار اور ایک دوسرے سے بڑھ کے آپؐ کے جان نثار، دراصل مسلمانوں کو یہ علم نہ تھا کہ انہیں بھاری جہیت سے مقابلہ پڑ جائے گا مگر پھر بھی ہمت کے میدان میں یہ ذرات گھبرائے اور ڈٹ کر جے رہے، قدرت نے فتح کے سامان مسلمانوں کے لیے کچھ عجیب مہیا کر دیئے تھے۔ ایک تو موقع ایسا تھا کہ سورج دشمن کے سامنے تھا اور مسلمان کی پس پشت، دوسرے مسلمان ایک اونچی جگہ پر ڈیرہ ڈالے تھے اور دشمن کا لشکر نشیب زمین پر تھا، اتنا قابارش ہو گئی اور آئی بھی بڑے زور شور سے

اوپر کا پانی بہہ کر نیچے جا نکلا اور غنیم کی صفوں میں تمام کچھڑو دلدل ہو گیا اس سے مدد والوں کے دل ٹوٹ گئے۔ ادھر سے حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ میدان میں نکلے ادھر سے عتبہ اور اس کے لڑکے سامنے آئے پھر لڑائی دونوں جانب سے زور و شور سے شروع ہو گئی۔ دونوں لشکر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور جو ہاتھ چڑھا اسے گاجرمولی کی طرح کاٹ ڈالا، نبی اللہ ﷺ مع ابوبکرؓ میدان میں ایک طرف بیٹھے دعا مانگ رہے تھے کہ ”یا الہی اپنی امت کی مدد کر اور سچ کا ساتھ دے“ کہ اتنے میں وحی نازل ہوئی جس سے نصرت کی خبر ملی، آپؐ نے فتح کی خوشخبری لشکریوں کو سنائی، میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا بہت سے کفار مارے گئے اور باقی بھاگ نکلے، مسلمانوں نے تعاقب کیا اور بھاگتوں کو اسیر کر لیا۔

آنحضرت ﷺ کی شخصیت اور مسلمانوں کی حسن عقیدت بھی قابل غور تھی، ایک نوجوان مسلمان کی شہادت کی خبر سن کر اس کی بڑھیا ماں بولی کہ مجھے اپنے بیٹے کی موت کا ذرا بھی غم نہ ہوگا اگر محمدؐ یہ کہہ دیں کہ وہ واقعی شہید ہو گیا ہے اور اسے بہشت نصیب ہو گیا ہے۔ سبحان اللہ ایمان ہو تو ایسا اور اعتقاد ہو تو اس طرح کا، اس جنگ میں دو مسلمان لڑنے سے معاذؓ اور معاذؓ بڑے جانباز ثابت ہوئے انہوں نے دشمن کے لشکر میں پہنچ کر صف بہ صف ڈھونڈ کر ابوجہل کو جا پکڑا اور اسے مار مار کر زخموں سے گھائل کر دیا اور خود بیچ کر نکل آئے، کفار خود تو بھاگ گئے تھے مگر زخمی ان کے میدان میں پڑے سکتے تھے۔ اتفاقاً عبداللہ بن مسعود وہاں سے گزرے جہاں ابوجہل گرا پڑا تھا ابوجہل نے آواز دی کہ ارے جانے والے یہ تو بتاتا جا کہ کون لشکر جیتا ہے۔ اور فتح و نصرت کس کے نام لکھی گئی، عبداللہؓ نے اس کو بتایا کہ اسامہؓ کا لشکر فتح یاب ہوا یہ سن کر ابوجہل اول فول بکنے لگا، عبداللہؓ نے کہا کہ ”دشمن خدا تو فرعون سے بھی بدتر ہے، وہ مرتے دم تو نادام ہوا تھا اور تو اب بھی منفعیل نہیں ہوتا، یہ کہہ کر اس کی توند پر پاؤں رکھا۔ ابوجہل پکارا اوگنوار دیکھتا نہیں میں کون ہوں ارے میں مکہ کے لشکر کا سردار ہوں اور حسب

نسب میں سارے عرب سے بہتر یہ تو کیا بے ادبی کرتا ہے پھر بولا: کیجئے تو مجھ کو مارنا، ال غر جب تو میری گردن کاٹنے لگے تو ذرا دیکھ بھال کر جڑ سے کاٹنا تا کہ دیکھنے والے میرے نہ ہوئے سرو دیکھ کر کہیں کہ واقعی کسی بڑے سردار کا سر ہے کیونکہ اس کی گردن لمبی ہے عبد اللہؓ نے ایک وار سے ابو جہل کا کام تمام کر دیا خدائے برحق نے اس طرح اس شخص کا خاتمہ کیا جس نے ایک سو اونٹ اور ایک ہزار چاندی کا سکہ اللہ کے نبی ﷺ کے خاتمہ کرنے کیلئے انعام مقرر کیا تھا۔

کفار مکہ نے اگرچہ منہ کی کھائی مگر انہیں سدھ بدھ پھر بھی نہ آئی۔ ان کی ”غیرت“ نے بھی ایک نرالا ہی نمونہ پیش کیا۔ ان لوگوں نے مکہ میں اعلان کر دیا کہ جنگ بدر کے مقتولوں کا کوئی شخص علانیہ ماتم نہ کرے اور نہ کہیں سے رونے دھونے کی آواز باہر نکلے ورنہ دیکھ کر مسلمان ہم پر قہقہہ زنی کریں گے اور ہم ان کی نظروں میں سبک ہو جائیں گے۔ ایک بڑھا بچارا مصیبت کا مارا اپنے تین نوجوان بچے اس جنگ میں کھو بیٹھا تھا اور اپنی شامت اعمال اور دکھڑے دنیا کے دیکھنے کو پیچھے رہ گیا تھا۔ اب ایسا شخص اگر اپنے بیٹوں کے انتقام نے خم میں نہ روئے تو ان کم عقلوں کی عقل پر تو روئے جنھوں نے قانون قدرت کے خلاف قانون نافذ کر رکھے تھے مگر کوئی روئے بھی کہاں جا کے، کیونکہ اگر کوئی اسے روتا دیکھ پائے تو اس کی شامت آجائے، ان ظالموں کے ظلم سے تنگ اور اپنی جان سے لاچار بڑھا غریب شہر سے باہر چلا جاتا اور اپنے بچوں کو یاد کر کے اپنی بے بسی پر روتا، ایک دن ایسا واقعہ پیش آیا کہ اسے کسی اور شخص کے رونے کی آواز آئی اس نے سمٹ لوٹھی کو بھیجا کہ جا دیکھ تو کسی کیا رونے کی عام اجازت مل گئی ہے؟ لوٹھی نے واپس آ کے کہا کہ ایک بیوہ بے کس کا اونٹ گم ہو گیا تھا، ہر چند اس نے تلاش کی ہے دستیاب نہیں ہوا، اب بے چاری مایوس ہو کر آ بیٹھی ہے اور اپنے بخت برگشتہ پرور ہی ہے یہ سن کر بڑھا بے اختیار زور زور سے رونے لگ گیا کہنے لگا کہ ”یہ کیا اندھیر نگری ہے کہ جو اونٹ چلا جائے تو رونا روا ہے مگر جو تین جوان بچے ناحق خون ہو جائیں تو ان پر

آنسو بہانا بھی ناروا ہے۔

مسلمانوں کو جو غنیمت اس جنگ میں ہاتھ آئی تھی اس کی تقسیم اس طرف پر کی گئی کہ چار حصہ اس کے تو شرکائے جنگ میں بانٹے گئے اور پانچواں نبی ﷺ کی زیر تحویل بیت المال میں رکھا گیا تاکہ وہ اس سے مفلس محتاج کی مدد کریں یا کسی اور رفاہ عام پر جہاں آپ مناسب خیال کریں خرچ کریں۔ جو قیدی اس جنگ میں پکڑے گئے تھے ان کو ابو بکرؓ کی رائے کے مطابق رہا کر دیا گیا، اگرچہ عمرؓ اس سے اختلاف رائے رکھتے تھے، حمزہ ربائی میں شرائط یہ تھیں کہ غریب اور ان پڑھ تو فوراً رہا کر دیئے جائیں مگر جو زردار ہیں وہ تاوان داخل کریں اور تعلیم یافتہ اشخاص مدینہ میں کچھ عرصہ کے لیے قیام کریں اور مسلمان بچوں کو تعلیم دیں کچھ میعاد مقررہ کے بعد ان کو بھی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

ان شرائط سے اسیران بہت ہی خوش ہو گئے کیونکہ دنیا میں یہ پہلا ہی واقعہ تھا کہ قیدیان جنگ کیساتھ کسی فاتح نے ایسی خوش اسلوبی سے برتاؤ کیا ہو، یہاں تک پسندیدہ سلوک ان لوگوں سے مسلمانوں نے کیا کہ ان اشخاص کو اپنا مہمان تصور کر لیا جب کسی مسلمان کے گھ اپنے کھانے کو کافی نہ ہوتا تو وہ خود کھجور کھا کے گزارا کر لیتا مگر مہمان کو ضرور گندمی روٹی ہی دیتا۔ اگر کسی مسلمان کے پاس کہیں جانے کو کافی سواری بہم نہ ہو سکتی تو آپ پا پیادہ ہو جاتا مگر مہمان کو ضرور سوار کر لیتا، گویا فاتح مسلمانوں اور مفتوح مشرکوں میں کسی قسم کا امتیاز نہ رہا، اس آئین احمد پر اہل اسلام جتنا فخر کریں بجا ہے اور جس قدر ناز اس پر کریں زیبا ہے یہ وہ واقعہ ہے جس کی نظیر اب تک نہیں ملتی۔

باب 13 جنگِ اقر

آنحضرت ﷺ کی زندگی کے حالات اور واقعات اب اس طریق سے تھے۔ جیسے ایک فرمانروا کے اپنی مملکت میں ہوا کرتے ہیں، اگرچہ آپؐ دینی بادشاہت سے بہت بلند تھے۔ بعض گردونواح کی اقوام سے عہد نامہ اور اقرار نامہ تحریر پا چکے تھے۔ بعض سے رابطہ و رشتہ اتحاد بڑھ رہا تھا۔ بعض ایسے بھی گروہ تھے۔ جن سے مخالفت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ آپؐ انصاف و عدل سے تجاوز کرنے کو خواہ معاملہ مذہبی ہو یا ملکی آئین اسلام کے خلاف سمجھتے تھے۔ مگر حاسدوں کو بھی تو اسی تختہ زمین پر رہنا ہے۔ یہ بھی تو دنیا کے ہر خطہ میں موجود ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے لازم تھا کہ کشمکش بڑھے۔

مدینہ کے نزدیک یہودیوں کی بستیاں تھیں۔ ان میں مسلمانوں کے خلاف حسد کی آگ ایسی بھڑکی کہ وہ آپؐ کا اہل مدینہ پر حاکم ہونا اور مکہ والوں کا آپؐ کے لشکر سے شکست کھانا برداشت نہ کر سکے۔ ساتھ ہی ان کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر مسلمانوں کی تنظیم اور بدبہ اگر بڑھتا چلا گیا، تو کوئی دن ایسا آئے گا کہ یہ لوگ ہم کو بھی مغلوب کر لیں گے کیوں نہ ابھی سے ان کی سرکوبی کی جائے اور یہ خدشہ دور ہو جائے۔ اس نیت سے یہودیوں نے اندر ہی اندر جنگ کی تیاری شروع کر دی، مسلمانوں کا انتظام اب بڑا پسندیدہ تھا، ان کو خبر لگ گئی کہ دوسری طرف کیا چال چلی جا رہی ہے۔ انہوں نے پیش بندی کی اور آنحضرت ﷺ (۳۵۰) آدی لے کر فوراً میدان میں نکل آئے۔ یہود یہ کیفیت دیکھ کر ہبت کھا گئے اور پہاڑیوں میں جا چھپے۔ ادھر

مسلمان بے فکر ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے کھانے پکانے میں لگ گئے، ایک یہودی نے جو کسی اونچی جگہ گھات لگا کر بیٹھا تھا، آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ اکیلے سو رہے ہیں تو موقعِ غنیمت جانا، فوڑا پہاڑی سے اتر اور دے پاؤں کہ آہٹ نہ ہو آپ کے سر ہانے آکھڑا ہوا۔ اور تلوار الف کر کے کہنے لگا کہ اے محمدؐ اب بول۔ تیرا وقت اخیر آ گیا ہے۔ کون ہے تیرا بچانے والا آپ اس وقت ذرا نہ جھجکے متانت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔

کہ وہ ہے میرا بچانے والا جس نے مجھے اور تجھے بنایا ہے، وہ ہے جو میری اور تیری

جان لے گا، وہ ہے محافظ۔

یہ بات سن کر اس شخص پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اس کا ہاتھ لرزش نہا گیا۔ اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑنے کو تھی کہ آنحضرت ﷺ نے فوراً پکڑ لی اور ویتے ہی ہاتھ میں اٹھا کر اس سے مخاطب ہو کے کہا کہ ”اب تو بول تیرا بچانے والا کون ہے“۔ بچارا عاجز دیک کے سہم کے جہاں کا جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ اور آہستہ سے آنکھیں نیچی کئے کہنے لگا، ”اجی میرا محافظ یہاں کون ہے“۔ آنحضرت ﷺ نے کہا، کہہ کہ ”میرا بچانے والا وہی اللہ ہے، جس نے اپنے رسول محمدؐ کو بچایا ہے“ یہ سن کر وہ شخص حیران رہ گیا۔ اس کے دل کی سیاہی دور ہو گئی۔ اور اس نے سچے دل سے کہا ”اشہدان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ اس کے علاوہ اور کوئی واقعہ اس جنگ میں پیش نہیں آیا، نہ لڑائی ہی لڑی گئی، اور نہ کوئی مال متاع ہی کسی کے ہاتھ لگا۔

باب 14

جنگِ احد و جنگِ خندق

ابو جہل کا گزرتا تھا کہ اس کی جہالت کی گدی پر ابوسفیان بیٹھ گیا۔ اس نے قسم کھائی کہ میں جب تک بدر کا انتقام محمدؐ سے نہ لے لوں گا، نہ عورت سے صحبت کروں گا، نہ سر میں تل ملوں گا، وہ اس طرح کی شیخیاں ضرور لوگوں میں بگھارتا رہتا تھا، مگر سامنے نکل۔ مقابلہ کی تاب نہ لاسکتا تھا، ایک دن اس نے سوچا کہ قسم تو میں کھا بیٹھا ہوں، اب جب تک کوئی حیلہ بہانہ نہ کروں لوگوں کے سامنے منہ کیسے دکھاؤں، اس نے کیا کیا کہ ایک روز منہ کے قرب و جوار میں چپکے سے ایک دستہ آدمیوں کا ساتھ لے کر چلا گیا۔ وہاں چند ایک مسلمانوں کو ان کے گھر میں گھس کر مار آیا۔ اور ایک آدھ گھر کو آگ بھی لگا آیا، بھاگا بھی ایسے جیسے کوئی نیا سیکھاراہ چور آدھی رات کو دم دبا کے بھاگے۔ غرض دوڑتا چلا جاتا تھا۔ کچھ بوریاں ستوؤں کی اس کے ساتھ تھیں وہ راستہ میں پھینکتا چلا آیا۔ ان کے سبب اسے بھاگنا دشوار ہو گیا تھا۔ یہ تو تھی اس کی جو انمردی جس پر وہ آئے دن قسم پر قسم کھایا کرتا تھا۔ اور انتقام کے دانت پسیا کرتا تھا کہ اگر میں نے محمد ﷺ کو سیدھا نہ کر کے چھوڑا تو میں بھی کیا انسان ہوا۔

قریش جنگِ بدر میں شکست کھا کر ایسے نادوم و شرمندہ ہوئے تھے، کہ ہر سامنے نہ اٹھا سکتے تھے، مگر اندر ہی اندر دن رات تیاریوں میں لگے رہتے تھے، واپس ملے جاتے ہی انہوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ بدلہ ضرور لیں گے۔ ہر وقت غصہ کے دانت پسیا کرتے تھے۔ انتقام ان کی سرشت میں تھا۔ اور کینہ ان کی فطرت میں سردار ابوسفیان کی بیوی ایک سخت مزاج کی عورت تھی۔

وہ ہر وقت اپنے خاوند کو اور اس کے ہم نشینوں کو برا بھلا کہتی رہتی تھی، اور طعن و تشنیع کیا کرتی تھی، کہ اے بے غیرت لوگو میرے باپ اور بھائی تو مارے جاویں اور تم منہ دیکھا کرو، تم مردوں سے تو ہم عورتیں زیادہ مستعد ہیں، اور ہم کو تم سے بدرجہا زیادہ غیرت ہے، چلو، جو تم خائف مسلمانوں سے ہو، تو ہم تمہارے ساتھ چلیں گی اور پہلو بہ پہلو لڑیں گی، آخر مردوں کے خون نے بھی آجوش مارا اور ۳۰۰۰ آدمی سامان حرب سے آراستہ اور نشہ جنگ سے ہوش و حواس باختہ مسلمانوں کے چیرنے پھاڑنے کو نکل پڑے، ادھر مسلمان بچارے شامت کے مارے صرف ۷۰۰ آدمی ہی مقابلہ پر لاسکے جن کو لیکر وہ دامن احد میں آٹھبرے، رات دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ جم گئے، صبح ہوتے ہی دونوں جانب سے دھاوا ہو گیا اور ایسی گھمسان کی لڑائی مچی کہ اپنے بیگانے کی تمیز نہ رہی۔ جو جس کے ہاتھ چڑھا اس نے کاٹ ڈالا، اور پل کے پل میں کھیت کر دیا، حمزہؓ شہید ہو گئے، آنحضرت ﷺ خود زخمی ہو گئے، تیر و تلوار ہردو کی چوٹ آئی، اور ایک شدید ضرب در دندان نے بھی کھائی۔

مسلمانوں کا علم بردار بھی مارا گیا اور ان کی صفوں میں شدت کا شور شراب مچ گیا، علم بردار کی شکل شبابہت کچھ کچھ رسول اللہ ﷺ سے ملتی جلتی تھی، اس کے مارے جانے پر یہ بھی خبر اڑ گئی کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں، یہ خبر اڑنی تھی کہ تمام لشکر کا دل ٹوٹ گیا، اور کھل بلی مچ گئی۔ مسلم لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے، دشمن کی بن آئی، اور مسلمانوں نے شکست کھائی، کفار قریش نے اب اپنا رخ مدینہ کو کر لیا کہ انہیں پاؤں چلیں اور چل کر مدینہ تسخیر کر لیں مگر ان کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی مسلمان لشکر کے پس ماندگان مدینہ وارد ہو گئے اور مقابلہ کو ڈٹ گئے۔ یہ مستعدی دیکھ کر دشمن کا ارادہ ضعیف ہو گیا۔ عمائد کفار کو اب یہ علم بھی ہو گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ حیات ہیں وہ صرف علم بردار تھا جو شہید ہوا تھا اس اطلاع سے ان کو اور بھی دل شکنی اٹھانی پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حملہ مدینہ کا ارادہ ترک کر دیا۔

مکہ کی عورتوں نے اس لڑائی میں بہت حصہ لیا۔ وہ جنگ بدر کے مقتولوں پر مرثیہ پڑھتی تھیں اور لڑائی سے منہ موڑنے والوں پر تبر ابوتی تھی۔ سردار سفیان کی بیوی ہندہ جمی شریک تھی۔ ہندہ بڑی کینہ جو عورت تھی، باپ اور بھائی کے قتل کا انتقام اس کے دل میں زیادہ موجود تھا، ایسی شتر کینہ تھی کہ جب تک اس نے حضرت حمزہؓ کی لاش کو ڈھونڈ کر ان کا بیہ پاک کر کے اور ان کا کلیجہ نکال کر اپنے دانتوں سے چبانہ لیا، تب تک اس کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ اور پھر اس ڈائن نے اس پر بھی اکتفا نہ کیا ان کے کان اور ناک بھی کتر ڈالے۔ آنحضرت ﷺ نے جب اپنے چچا کی نعش کا یہ حال دیکھا تو آپؐ کو بہت صدمہ ہوا، آپؐ اُرجا جتے تو غار قریش کی تمام لاشوں کا یہی حال کر دکھاتے، مگر اللہ کا رسول ﷺ اور انتقام کا اصول، حریف سے بدلہ لینا اور دشمن سے کینہ نکالنا یہ اس پاک سرشت اور نیک اصل سے بہت بعید تھا، دل پر بڑا اقلق پیدا ہوا، مگر برداشت کر گئے۔

سردار حارث کا حملہ کرنا

مسلمانوں کو دم لینا کہاں نصیب میں لکھا تھا، بمشکل چند ہی دن گزرے۔ ہوں گے، کہ قبیلہ بنی المصطلق کا سردار چڑھ آیا، مسلمان اس سے ایسے جان توڑ کر لڑے کہ اسے بھاگتے بنی، لوٹ کا مال جو ان کے ہاتھ چڑھا، اس میں دو سو نفر، ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بھیڑیں تھیں۔ ان نو گرفتاران کے زمرہ میں سردار کی بیٹی جویریہ بھی شامل تھی تقسیم مال میں یہ لڑکی ایک سپاہی کے حصہ میں آئی۔ لڑکی بہت گھبرائی، اس نے سپاہی سے بڑی منت و زاری نے بعد اس کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ ایک معقول رقم تاوان کے عوض اس لڑکی کو رہائی دے دے۔ مگر اب اہم سوال تو یہ درپیش تھا، کہ یہ تاوان کہاں سے پیدا کیا جائے۔

لڑکی کے بخت خفتہ جو بیدار ہوئے، تو یہ خبر اڑتے اڑتے آنحضرت ﷺ کے

کانوں تک پہنچ گئی۔ سپاہی سے حکماً اس لڑکی کو آزادی دلانا خلاف آئین تھا، کیونکہ یہ مال اس کا ہو چکا تھا۔ آپ نے اپنی گرہ سے تاوان سپاہی کو دے دیا۔ جویر یہ آزاد ہو گئی۔ اس پر آپ نے لڑکی کو یہ ہمراہی اپنے ایک معتبر ملازم اس کے ماں باپ کے پاس روانہ کر دیا۔

ادھر اس کا روانہ ہونا ہی تھا کہ ادھر سے جویر یہ کا باپ بہت ساز و جوہر لے کر خود مدینہ آ پہنچا تا کہ جو کچھ بھی آنحضرت ﷺ منہ سے مانگیں نذر کروں اور اپنی بیٹی کی بند خلاصی کراؤں، وہاں جو پہنچا اور اپنی بیٹی کی آزادی اور آنحضرت ﷺ کا اپنی گرہ سے تاوان کی ادائیگی کا حال جو سنا تو حیران ہو گیا، کہنے لگا۔ ”مسلمان کہاں اور یہ مرغوب اخلاق کہاں“ سردار اس واقعہ سے ایسا متاثر ہوا کہ خود معہ خویش و اقارب مسلمان ہو گیا، ساتھ ہی اس نے حضورؐ میں یہ عرض گزاری کہ میری بیٹی جویر یہ کو آپؐ زوجیت میں قبول کریں، آپؐ ابھی اس سوچ بچار ہی میں تھے کہ اسے کیا جواب دیا جائے، کہ اتنے میں یہ بات لشکریوں تک پہنچ گئی۔ انہوں نے باہمی مل کر یہ عہد کر لیا کہ اگر آنحضرت ﷺ جویر یہ کو زوجیت میں قبول کر لیں گے۔ تو ہم اپنے اپنے غلام رہا کر دیں گے، وجہ یہ تھی کہ زیادہ تعداد ان غلاموں کی جو اس جنگ میں اسیر ہوئے تھے جویر یہ کی قوم قبیلہ کے لوگوں سے تھی اور نبی اللہ ﷺ کی محبت و ادب مانع تھے کہ آپؐ کی منکوحہ کے رشتہ داران آپؐ کے لشکریوں کے پاس غلام رہیں، آنحضرت ﷺ نے جب یہ سنا کہ آپؐ کی شادی سے دو صد ہندگان خدا بندی سے آزاد ہو کر اپنا پیدائشی حق آزادی پھر حاصل کر لیں گے۔ تو آپؐ کو تجویز شادی منظور کرنے میں ذرا بھی تامل نہ رہا، اللہ کی قدرت کے رنگ بھی عجیب ہیں۔ کہاں سردار کی لڑکی سے کنیزک کیا۔ اور کہاں اب کنیزک سے سرور عالم کی ملکہ بنا کر بٹھا دیا۔

جنگِ خندق

ابوسفیان کو پہلی لڑائی سے ایک سال کا وقفہ مل چکا تھا، اب اس نے تیاری پنی جنگ کی

بہنہ وجوہ مکمل کر لی، اب کے وہ ۴۰۰۰ قریش اور ۶۰۰۰ یہود لے کر مدینہ پر چڑھے آئے۔ مسلمان اتنا ٹڈی دل لشکر کا آنا سن کر گھبرا اٹھے۔ لگے صلاح مشورہ کرنے اور تدبیر سے ٹھوڑے دوڑانے، مسلمانوں میں ہر بشر کو یکساں اختیار اظہار رائے کا ہوا کرتا تھا، اور احمدی آئین کا یہی اسوہ حسنہ تھا، ان میں ایک شخص سلمانؓ فارسی موجود تھا، وہ کہنے کہ ہماری جمعیت بہت قلیل ہے اور ہم میدان میں نکل کر سامنے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتے، اب ہمارے لیے سوائے اس کے کوئی اور چارہ نہیں کہ ہم کہیں پناہ گزیں ہو جائیں، حریف کا لشکر عظیم الشان ہے اور ہم مسلمان بے سروسامان ہیں، اگر مدینہ میں مقابلہ ہو گیا، تو نہ صرف ہم ہی مارے جائیں گے، بلکہ ہمارے بال بچے بھی ساتھ ہی تباہ ہو جائیں گے، جو میری سنو تو مدینہ کے نزدیک ہی جو پہاڑی سلع نام ہے، اس کے دامن میں چل بیٹھو اور اپنے سامنے ایک کھائی گہری کھودو، پھر دیکھیں گے جو اللہ کرے، آپؐ نے یہ تجویز پسند کی اور سب نے آمین کہی، مسلمانوں کو یہ اندیشہ بھی لگ رہا تھا کہ کفار کہیں شہر مدینہ پر ہی نہ حملہ آور ہو جائیں، اس لیے انہوں نے یہ پیش بندی کی کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو قلعوں میں بٹھادیا اور کچھ ضروری ساز و سامان بھی ان کے حوالہ کر دیا، کہ آڑے وقت پر وہ اپنی حفاظت کر سکیں اور آپؐ تو کل با اللہ تین ہزار ۳۰۰۰ آدمی جماعت لے کر دامن کوہ میں چلے آئے۔ یہاں پہنچتے ہی آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ فی الفور پانچ گز چوڑی اور پانچ ہی گز گہری خندق کھودنی شروع کر دی جائے، اور جب تک کہ ختم نہ ہو لے کوئی آرام نہ لے، جب آنحضرتؐ خود اپنے دست مبارک سے کھدائی کر رہے تھے تو سپاہ کا تو پھر کیا حال ہوگا۔ ادھر ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے اور کھدائی کے لیے جھکے جھکے کمریں ٹوٹنے لگیں۔ ادھر ہر ساعت غنیم کا ڈر دامن گیر کہ پہنچا کہ پہنچا۔ اب آیا کہ آیا، غنیم بھی وہ دشمن جاں جو دس ہزار جرار سپاہ لیے، ہر ساز سے مہیا اور سامان سے آراستہ برابر چڑھا آ رہا ہو، اور بلا وجہ و با عذر آمادہ فساد ہونہ اسے دھرم کی ہونہ ایمان کی، نہ اللہ کے رسول ﷺ کی بس دل میں اک حسد لی آگ رکھتا

ہو اور سینہ میں کینہ، ایسے بد شعار و بد اندیش دشمن سے مقابلہ، اللہ پناہ دے، ادھر پچارے مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ نہ تو ان کے پاس کافی سامان جنگ ہی تھا اور نہ کھانے پینے کا کوئی رنگ ڈھنگ، ادھر اپنی جان کا خطرہ، ادھر مدینہ میں بال بچہ کی تباہی کا ڈر، مگر یہ خدا کی پیاری اور محمدؐ کے نام پر واری سپاہ برابر ڈٹی رہی جب تک کہ خندق نہ تیار ہوگئی۔ اتنے میں دشمن بھی اپنا لاؤ لشکر لیکر چڑھ آیا، اور دونوں لشکر خندق کے آر پار جم گئے، تیرتنگ دونوں جانب سے چلتے رہے اور اینٹ پتھر سے دورویہ مقابلہ ہوتا رہا، مسلمانوں کو خندق نے بڑا کام دیا، خندق میں کوئی اتر نہیں اور مسلمانوں نے اس کی سرکوبی پتھروں سے کی نہیں، ایک تو اس خندق نے غنیم کے راستہ میں بڑی کھٹن منزل ڈال رکھی تھی، دوسرے مسلمانوں کی خوشی نصیبی سے قریش اور یہود میں باہمی تفرقہ پڑ گیا۔ اور ایک دوسرے سے اعتبار اٹھ گیا، دل دشمن کا تو اسی طرح سے ٹوٹ گیا تھا، مگر اس پر اضافہ یہ بھی ہو گیا، کہ رات کو زبردست آندھی چلی، اور ساتھ بارش بھی گھٹنا باندھ کے آ پہنچی، ایسا موسلا دھار مینہ برسا کہ ڈیرے خیمے غنیم کے سب اکھڑ گئے، اور سب سلسلہ درہم برہم ہو گیا، بد انتظامی تو آگے ہی وہاں موجود تھی، بد نسقی اور بدتر ہو گئی اور دشمن کو بھاگتے بنی، سردار لشکر ابوسفیان بھاگتوں کا بھی سردار ہی رہا، جو بھاگتے دکھائی دینے، ان سب میں اول وہ تھا، مسلمان خوشی خوشی گھر لوٹ آئے، اگرچہ مال و متاع ان کے ہاتھ کچھ نہ لگا مگر جان بچی لاکھوں پائے۔

باب 15

جنگِ خیبر

یہودیوں نے اب پھر سراٹھایا، اور ایک بھاری لشکر کھڑا کرنے کا ساز و سامان مہیا کر لیا۔ ایسی چال چلے کہ مسلمانوں کو مطلقاً خبر ہی نہ ملی، کہ وہ اندر ہی اندر کیا ساز و باز کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ اس سازش میں یہودیوں نے چند قبیلے مکہ کے بھی اپنے ساتھ ملا لیے، اور باہمی یہ عہد و پیمان کر لیا کہ جو بھی ہوا ایک دفعہ مسلمانوں کا قلع قمع ضرور کر دیا جائے۔

جونہی کہ مسلمانوں کو پتہ لگا کہ یہودی ہم پر پھر حملہ آور ہونے کا قصد کر رہے ہیں۔ انہوں نے آٹا فانا ۱۴۰۰ آدمی کا لشکر اکٹھا کر کے یہودیوں کے قلعوں پر ایسا چھاپ مارا کہ سوائے قلعہ خیبر کے باقی سب کے سب ہی تسخیر کر لیے، خیبر کا قلعہ ایک بھاری مرتزی پناہ خیم کی تھی۔ یہودیوں نے فیصل قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور قلعہ کے اندر سے مقابلہ کی ٹھان لی۔

اب دونوں لشکر باہر جم گئے۔ اور لڑائی کے لیے تلے رہے۔ جانین سے جب کسی کا اکیلا دو کیلا آدمی ہاتھ چڑھ جاتا تو وہ بیچ کے واپس نہ آنے پاتا۔ اتنے میں حضرت علیؑ جو پہلے بسبب علالت طبع لشکر کیساتھ شامل نہ ہو سکے تھے۔ اب آئے۔ آنحضرت ﷺ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اگرچہ طبیعت علیؑ کی ابھی تک ناساز ہی تھی، مگر انہوں نے آنحضرت ﷺ کا رخ جو اس طرف دیکھا تو فوراً ہی ہتھیار باندھ لیے تیر ترکش چڑھائی۔ زرہ بستر لگالی اور جہاد کا جامہ پہنے اللہ اکبر اللہ اکبر کے نعرے لگاتے اتر آئے میدان میں۔

ادھر سے تن تنہا علیؑ قلعہ کے دروازہ کی طرف بڑھے ادھر سے سردار قادمہ کا بھائی خود

مقابلہ کو نکالا۔ دونوں کی مٹ بھینٹ ہو گئی، کچھ دیر تو وہ برابر ڈنار ہا مگر آخر اس نے علیؑ کی تلوار سے ایک ایسی منہ کی کھائی کہ اس کی جان ہوا ہو گئی اور قلعہ کے عین آگے اپنے لشکریوں کی آنکھوں کے سامنے ڈھیر ہو کر گر پڑا۔ سردار قلعہ نے جب بھائی کو اپنی آنکھوں کے روبرو سے اس طرح لڑتا مارتا دیکھا، تو اس کے خون نے جوش مارا، چمک اٹھا، اور لشکر لے کر خود باہر نکل آیا اور لاکارا کہ آؤ نکلو، حضرت علیؑ پھر بڑھے اور دونوں بالموابجہ دنگل میں نکل آئے، سردار بڑا قوی بیگل جوان تھا۔ اس پر ایک تو نشہ سپہ گری سر میں رکھتا تھا، دوسرے بھائی کے خون کا انتقام دل میں بڑی آن بان سے نکالا، اور دل توڑ کر مقابلہ کیا، مگر ادھر بھی شیر خدا تھا اور ہاتھ میں تھی ذوالفقار، تلوار ایسی چلائی کہ سردار مرحب کو سر پاؤں تک آرے کی طرح چیرتی پھاڑتی دو ٹکڑوں میں برابر کاٹتی نکل آئی یہ منظر دیکھنا تھا کہ مرحب کے لشکر کا دل ٹوٹ گیا سب نے بھاگنے کی ٹھان لی اور دوڑ کر قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ اور دروازہ قلعہ بند کر لیا۔ ادھر سے حضرت علیؑ نے دھاوا بول دیا۔ مسلمانوں نے زور شور سے تعاقب کیا، اور دروازہ قلعہ توڑ پھوڑ کے اندر جا گھسے اور قلعہ اسیر کر لیا علیؑ نے بڑے نمایاں جوہر اس جنگ میں دکھائے، اور بڑا نام پایا، دروازہ اکھیر پھینکنے میں انہوں نے وہ زور بازو دکھایا کہ تمام سپاہ دنگ رہ گئی، اور عرش عرش کرنے لگی، یہود نے اپنے فعل سے پشیمانی ظاہر کی اور آنحضرت ﷺ سے معافی کی التجا کی، آپؐ نے سب کو یک قلم معاف کر دیا ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی۔ کہ جو مذہب تم کو بھلا معلوم ہوتا ہے، اور جو دین تم کو تسلی قلب بخشتا ہے اس پر قائم رہو، اسلام کسی پر جبر کی تعلیم نہیں دیتا۔ البتہ میں یہ ضرور تم کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں پیغمبر خدا ﷺ ہوں اور پیغام حق الایاتوں، اسے سنو گے تو عاقبت کا نفع اٹھاؤ گے۔ تمہیں چاہیے کہ ذات حق کو پہچانو، کیونکہ اس کا شاہد ایک ہر دو عالم میں کوئی نہیں ہے۔ لا الہ الا اللہ

مالک الملک لا شریک له وحدہ لا الہ الا ہو
 عاشقان جان دل نثار کنند بر در لا الہ الا ہو
 صوفیان گر بہشت می طلبند ذکر شاں لا الہ الا ہو
 باغبان قدیم لم یزلی صفحش لا الہ الا ہو
 طوق لعنت قلند بر ابلیس حیرتش لا الہ الا ہو
 مومنان را نعیم شد روزے بر کتکش لا الہ الا ہو
 خوش درختے است در میان جہاں میوہ اش لا الہ الا ہو
 شمس تبریز گر خدا طلبی خوش بخواں لا الہ الا ہو

ترجمہ:

- 1: اے ملک کے مالک تیرا کوئی شریک نہیں وہ ایک ہے اس کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے۔
 - 2: عشاق دل و جان قربان کرتے ہیں تیرے در پر۔ "اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"
 - 3: صوفی اگر جنت مانگتے ہیں ان کا ذکر بھی یہ ہے کہ "اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"
 - 4: وہ لازوال قدیم باغ کا والی ہے اس کی صفت یہ ہے کہ "اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"
 - 5: ابلیس کی گردن میں لعنت کا طوق پڑ گیا ہے کہ وہ حیران ہے کہ "اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"
 - 6: ایک روز مومنوں کو بہشت ملے گا اس کی برکت سے کہ ان کا کلمہ ہے کہ "اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"
 - 7: دنیا میں وہ درخت خوش بخت ہے جس کا پھل یہ ہے کہ "اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"
 - 8: اے شمس تبریز! اگر اللہ کو چاہتا ہے تو خوش الحانی سے پڑھ کہ "اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"
- خیبر کی لڑائی میں زینب نام ایک عورت کے چند ایک لواحق مارے گئے تھے اس کے

دل میں یہ غصہ بھرا تھا۔ اور وہ دل ہی دل میں زہرا گنتی رہتی تھی، ایک دن اس نے موقع جو پایا تو آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا، جب آپ نے کھانا کھانا شروع کیا، اور ابھی ایک آدھ لقمہ ہی کھایا ہوگا، کہ ذائقہ بہت بدمزہ معلوم ہوا، آپ نے ہاتھ کھانے سے اٹھالیا، اور اسباب کو بھی حکم دے دیا کہ اسے کوئی نہ کھائے، جب تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس میں زہر ملا دیا تھا۔ زہر بلائی گئی اور اس سے دریافت کیا، اس نے اقبال کر لیا کہ میں نے زہر ملا یا تھا۔ اور وجہ اس حرکت کی یہ بتائی کہ میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر محمد ﷺ واقعی پیغمبر ہے، تو اسے زہر کا پتہ لگ جائے گا اور اگر میرا وار چل گیا تو میرے بھائی بندوں کے خون کا بدلہ نکل آئے گا۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ اظہار زہر سنا تو اس کی خطا درگزر کر دی اور قطعی معافی دے دی، حالانکہ اس زہر کا اثر تمام عمر آپ ﷺ کے صحت بدنی پر موجود رہا اور بارہا شکایت اس تکلیف کی زبان پر لاتے، مگر زہر کو پھر بھی زبان سے کچھ نہ کہتے۔

باب 16

عہد نامہ حدیبیہ

مسلمانوں کو اپنے باپ دادا کا مسکن چھوڑے اب سالہا سال گزر چکے تھے۔ درد وطن اور محبت مکہ نے ان کے من کو آگھیرا، ساتھ ہی انہیں زیارت حرم کا اشتیاق حد سے بڑھا جاتا تھا، مسلمان کہتے کہ یارو! یہ کیا ظلم ہے کہ اور قوموں کے لوگ تو اپنے معبد کو جب چاہیں با روک ٹوک آئیں جائیں، مگر ایک ہم ہیں۔ جن پر نہ صرف طواف کعبہ بند ہے۔ بلکہ مدینہ معظمہ کا داخلہ بھی منع ہے مگر انہوں نے اب قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو اب ہم ضرور زیارت کو جائیں گے، اور تیاریاں شروع کر دیں، چنانچہ روز مقررہ کو آنحضرت ﷺ ۱۵۰۰ آدمی زیارت کے لیے ساتھ لے کر مکہ کے رخ روانہ ہو پڑے اور اپنے ساتھ 70 اونٹ بھی قربانی کے لیے یہ تمام لوگ نہتے تھے، آپ ﷺ نے حکم دے دیا کہ کوئی نام کا ہتھیار بھی اپنے ساتھ نہ رکھے، مبادا مکہ والوں کو ہم پر لڑائی کا شبہ گزر جائے۔ مگر وہ لوگ تو فطرتاً ہی ایسے شکی تھے کہ وہاں کسی کے شک دلانے کی کوئی ضرورت نہ تھی انہوں نے مسلمانوں کا نام ہی سنا تو کمریں باندھ لیں اور لڑائی کی ٹھان لی، آنحضرت ﷺ مکہ سے ایک منزل ادھر ہی تھے کہ کیفیت کفار کی آپ نے سن لی، وہیں ٹھہر گئے، وہاں سے ایک قاصد مکہ کو روانہ کیا کہ ان کو جا کے سمجھانے کہ ہم کو غرض صرف طواف سے ہے اور آرزو زیارت کی، اگر ہماری نیت لڑائی جھگڑے کی ہوتی تو ہم احمق تھے کہ بغیر ہتھیار اور سامان کے ہم نہتے چلے آتے، تم اپنا آدمی بھیجو اور اپنی تشفی کر لو کہ ہمارا بیان یہ صحیح ہے یا غلط، مگر مکہ والے بھلا کہاں ان باتوں کو مانتے تھے، انہوں نے ایک نسنی اور یہی کہا ہمارے ساتھ پہلے باضابطہ عہد نامہ کرو، تو ہم اندر آنے دیں گے، چنانچہ باہمی شرائط تجویز

ہوتی رہیں اخیر فیصلہ مفصلہ ذیل شرطوں پر ٹھہرا کہ

شرائط عہد نامہ

- (1) اس سال مسلمان واپس چلے جائیں البتہ اگر آئندہ سال آئیں گے تو اجازت زیارت کی دے دی جائے گی۔
- (2) تین روز سے زیادہ مکہ میں قیام کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔
- (3) اسلحہ ساتھ لانے کی سخت ممانعت ہوگی۔
- (4) اگر کوئی شخص مکہ والوں کا بلا ان کی اجازت کے مسلمانوں کی طرف چلا جائے گا تو مسلمانوں کو اسے فوراً واپس کرنا ہوگا، لیکن اگر کوئی مسلمان ادھر سے بھاگ کر مکہ میں ٹھہرنا چاہے گا تو مکہ والوں پر اس کی واپسی فرض نہ ہوگی۔
- (5) دس سال تک کوئی فریق ایک دوسرے پر حملہ نہ کرے گا۔
- (6) قریش مسلمانوں کے ہم عہدوں سے مزاحم نہ ہوں گے اور نہ قریش کے حلیفوں سے مسلمان مزاحم ہوں گے۔

مسلمانوں میں بعض شخص اس رائے کے خلاف تھے کہ اس عہد نامہ پر دستخط مثبت کئے جائیں ان کی نگاہ میں ان شرائط کی قبولیت مسلمانوں کے لیے بڑی سبکی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے امت پر یہ واضح کیا کہ تم کو یہ شک گزرتا ہے کہ ہم میں سے کوئی مسلم بھاگ کر کفار کے ساتھ جا ملے گا۔ سب یک زباں ہو کر کہنے لگے نہیں ہرگز نہیں۔

آپ نے فرمایا، اگر ان کا کوئی آدمی ادھر سے بھاگ کر ہمارے ہاں چلا آئے تو وہ ہمارے کس کام کا ہوگا۔ ہم کو اسے پاس رکھنے کی کیا ضرورت ہوگی۔ سب نے کہا یہ درست

ہے۔

اس پر آپؐ نے کہا باقی شرائط پر ہم پہلے ہی سے کار بند ہیں۔ ہتھیار ہم نے ساتھ لائے ہیں اور نہ آئندہ لائیں گے۔ ہم زیارت کے لیے آئیں گے نہ کہ جنگ کیلئے۔ ایسا ہی تین دن والی شرط میں بھی ہمارے لیے کچھ نقصان نہیں۔ ہمیں زیارت کے لیے تین پیر بھی کافی ہیں۔

ہم مسلم ہیں، شر شرارت سے ہمیں کام نہیں، یہ عہد نامہ نہ لکھا گیا تو فساد بڑھے گا اور نوبت لڑائی تک جا پہنچے گی، اے مسلمانو! اگر ہمیں لڑائی سے گریز کرنا ہے تو اس عہد نامہ پر رضا مندی ظاہر کرو، اس پر سب نے آمین کہی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستخط ثبت کر دیئے اور مسلمان بلاد داخلہ مکہ اور بلا زیارت واپس مدینہ چلے آئے۔

عمرہ القضاء

اب عہد نامہ حدیبیہ لکھے ایک پورا سال ہو چکا تھا، مسلمان اس لیے زیارت کے لیے مکہ آئے، تین دن قیام کیا اور رسم رسوم بجلائے، مکہ زیارت کے لیے آنا مسلمانوں کا ایک ایسا پیدائشی حق تھا جیسا کہ اور قوموں اور قبیلوں کا تھا۔ مگر مشرکان مکہ غایت درجہ کے تند خو آدمی تھے ہر وقت حجت پر تلے رہتے تھے اور کوئی نہ کوئی بات سامنے رکھ کر فتنہ و فساد پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اسے بڑا غنیمت سمجھا کہ بغیر لڑائی و خونریزی کے مسلمانوں کو کعبہ کا منہ تو دیکھنا پھر نصیب ہوا۔ اس اظہار شکرگزاری کی خاطر آپؐ نے مکہ والوں سے التجا کی کہ وہ آپؐ کی ضیافت منظور کریں۔ آپؐ نے سوچا کہ اس سے ایک تو آئندہ راہ و رسم باہمی پسندیدہ ہو جائے گی۔ علاوہ اس کے کئی طرح کے گلہ شکوے جو دلوں میں ہوں بھی وہ جاتے رہیں مگر قریش بہت کم ظرف ثابت ہوئے۔ مہمان نوازی کا جواب انہوں نے زباں درازی میں دیا۔

کہنے لگے کہ تین دن کی میعاد معہودہ گزر چکی ہے، آپ اب شہر سے باہر ہو جائیں، آنحضرت ﷺ ذرا ملال خاطر پہ نہ لائے، فوراً شہر سے نکل آئے اور باہر آ کر اپنے خیمہ ڈیرے لگا لیے، بعض اشخاص مکہ آپ ﷺ کے یہ اوصاف حمیدہ اور صفات ستودہ دیکھ کر بڑے گرویدہ ہو گئے اور چند ایک نے اسلام بھی قبول کر لیا۔ خالدؓ جو جنگ احد میں آپ ﷺ کے خون کے پیا سے تھے مشرف بہ اسلام ہو گئے، عمر بن العاصؓ نے بھی بیعت کر لی یہ ہردو آدمی بڑے مشہور و معروف تھے۔ ان کی شمولیت سے امت کو اور بھی تقویت ملی۔

خلاف ورزی شرائط عہد نامہ حدیبیہ

عہد نامہ حدیبیہ میں جو شرائط رقم کی گئی تھیں، منجملہ ان کے ایک یہ بھی تھی کہ قریش مسلمانوں کے ہم عہدوں سے نہ لڑیں اور نہ اہل اسلام قریش کے طرفداروں سے کوئی فساد برپا کریں، اتفاق ایسا پیش آ گیا کہ مکہ کے قرب و جوار میں دو قبیلے خزاعہ و بنی بکر رہا کرتے تھے۔ ان کا باہمی نزاع شروع ہو گیا اور نوبت بایں جا رسید کہ آپس میں لڑائی شروع ہو گئی، خزاعہ آنحضرت ﷺ سے اتحاد رکھتے تھے اور بنی بکر قریش کے طرفدار تھے، اب چاہتے تو یہ تھا کہ دونوں فریق اس تنازعہ میں نہ پڑتے اور اپنے قول و قرار پر قائم رہتے، مگر قریش نے عہد نامہ کی تحریر پر جس کے وہ بڑے شائق اس وقت تھے پانی پھیر دیا اور قبیلہ بنی بکر کو لڑائی میں ہر طرح سے مدد امداد دینی شروع کر دی۔ معمولی مدد پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ شامل ہو کر قبیلہ خزاعہ کے خلاف میدان جنگ میں لڑائی کی شرائط کو صریحاً توڑ دیا۔

شرع و آئین پر مدار نہیں..... ایسے کافر کا کیا کرے کوئی

جب یہ خلاف ورزی شرائط قریش کی جانب سے عمل میں آئی تو خزاعہ نے اپنا قاصد

نبی ﷺ کے پاس مدینہ بھیجا اور یہ پیغام لایا کہ ہم پر اب وقت آتا ہے اور آپ کا اور ہمارا اتحاد ہے۔ اس لیے اب ہمارا مطالبہ آپ سے ہے کہ آپ ہماری مدد کریں اور وعدہ ایفان کریں ہم پر یہ آڑا وقت ہے، اگر آپ اس وقت ہمارے کام آئیں گے تو ہم یہ نیکی آپ کی کبھی نہ بھلا سکیں گے۔ قاصد نے ساتھ ہی ایک اور بھی حرکت قریش کی بتائی کہ یہ لوگ بڑھتے بڑھتے جرم محترم کے اندر جا گھسے ہیں اور ان ناپاکوں نے مقدس معبد کو خون سے آلودہ کر دیا ہے۔ بلکہ کئی شخص خانہ کعبہ کے اندر بھی مارے جا چکے ہیں حالانکہ یہ رسم اور روانج حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے برابر چلا آتا تھا کہ اگر کوئی شخص جرم کر کے بھی آ پناہ لے تو وہ گرفتار نہیں کیا جاسکتا تھا، اس قدر منزلت و توقیر سے اس جگہ کو دیکھا جاتا ہے، چہ جائیکہ یہ لوگ ایسی امن گاہ کو ایک رزمگاہ بنا لیں اور وہاں بھی ایک دوسرے کا خون بہانے کو آمادہ ہو جائیں، بنی النضیر نے فرمایا کہ یہ لوگ اب حد سے بڑھ گئے ہیں اور ان کے گناہ کی ناؤ اب بھر چکی ہے اس قدر بے باکی اور اتنی بے دینی کہ کعبہ میں جا کے یہ ایک دوسرے پر تلواریں گھسیٹیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جگہ مشرک کے لیے نہیں ہے، یہ مسلم کا معبد ہے، قاصد سے کہا کہ خلاف ورزی اقرار نامہ کی ضرور انہوں نے کی اور تم مستحق مدد کے ہو، اگر ”اب میں تمہاری مدد نہ کروں تو اللہ تو میری مدد نہ کی جیو“ یہ کہا اور مکہ پر چڑھائی کا حکم دے دیا۔

باب 17

مکہ پر دھاوا

لشکر کا مکہ روانہ ہونا:

کوچ کا نقارہ بجنا تھا کہ نشان پیغمبر لہرائے اور علم احمد اڑائے لشکر ایک بڑی دھوم دھام سے مکہ کی جانب روانہ ہو پڑا۔ جہاں جہاں سے رسول اللہ ﷺ کی سواری گزرتی تھی مسلمان ہمرکاب ہوتے چلے جاتے اور کیوں نہ ہوتا یہ مکہ کی چڑھائی تھی۔

وہ مکہ جہاں قریش مسلمانوں کو غلامی سے بھی بڑھ کر کمتر و احقر سمجھتے تھے اور ہر وقت ان کو طعن و تشنیع کرتے تھے، وہ مکہ جہاں طواف و زیارت کیلئے ہر قوم و قبیلہ کے لوگ تو بلا اجازت آئیں جائیں مگر مسلم کو وہاں قدم رکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے وہ مکہ جو سینکڑوں ہزاروں مسلمانوں کے باپ دادا کا مسکن رہا ہو مگر بجرم قبولیت اسلام مکہ والے انہیں مار کوٹ کر باہر نکال دیا کرتے تھے، وہ مکہ جہاں قریش مسلمانوں کو اس تقصیر میں کہ وہ رسول خدا ﷺ کو گالیاں فحش دے کر قریش کو خوش کیوں نہیں کرتے، ننگا کر کے گرم ریت پر بچھا کر اوپر بھاری پتھر رکھ کر جان سے ہلاک کر دیا کرتے تھے۔

یہ ہے وہ مکہ جس پر آج چڑھائی ہے۔ پھر بھلا کون ایسا مسلمان ہو جو اس مکہ پر دھاوا سنے اور شامل لشکر نہ ہو، جس کی رگوں میں کچھ بھی غیرت کا خون باقی تھا اٹھ کھڑا ہوا، جسے ذرا بھی ننگ اسلام تھا کمر بستہ ہو گیا، مکہ پہنچنے تک بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ جوان بنی اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے تیار اور اسلام کے نام پر جاں نثار آپ کے ساتھ شامل ہو گیا، مکہ کے پڑوس میں پہنچ کر لشکریوں نے خیمے گاڑ دیئے اور ڈیرے ڈال دیئے مکہ کے ارد گرد گویا ایک نیا شہر آباد ہو گیا جہاں

آنکھ پڑتی روشنی ہی روشنی دکھائی دیتی اور جدھر نگاہ اٹھتی آگ ہی آگ نظر آتی یا تو مہرے والے سب خبر خواب خرگوش میں سوئے پڑے تھے، یا اب یکا یکا اٹھے پتہ انہیں تب ہی لگا سب سب مد گھر گیا اور چھوٹا بڑا سب ناکہ بند ہو گیا۔ مکہ والے آنحضرت ﷺ کا یہ بلند اقبال اور جاہ و جلال دیکھ کر جہاں کے جہاں تھے وہیں دیک کے رہ گئے۔ ایک دوسرے کی جانب ششدر و حیران ہوئے دیکھتے اور کہتے کہ یہ کیا ہونے لگا ہے۔ ان کے دل میں آخر یہ تو گزرتی ہی ہوئی کہ ابھی وہ بھی دن تھا، جب ہم اس شخص کے دماغ کا خلل دور کرنے کے لیے اور اس کے سر سے جن نکالنے کے لیے ماندری و کاہن بلانے کی تجویزیں کیا کرتے تھے یا آج یہ دن ہے کہ یہ ہماری سرکوبی کے لیے ۱۲۰۰۰ سپاہ جرار لیے دروازہ پر آڈٹا ہے۔

ابوسفیان کا مسلمان ہونا

آخر وہ لوگ تو جتنا بھی گھبرائیں بجا تھا، کیونکہ یہ بات ہی گھبراہٹ والی تھی، مگر سردار ابوسفیان کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے، بھلا اب وہ کرے بھی تو کیا اور جائے تو کہاں جائے نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، ادھر ادھر بھاگتا پھرتا تھا، جیسے کوئی بھولا بھنکا مسافر منزل سے دور تھکاوٹ سے چور مارا مارا پھرتا ہے اور اسے کوئی راہبر نہیں ملتا، اسی عالم میں سرگرداں وہ شہر سے باہر نکلا کہ میں ذرا اپنی آنکھوں سے جا دیکھوں تو سہی کہ آخر کتنی جمعیت ہے، جو ہماری تباہی کو آموچہ ہوئی ہے، آخر کوئی صورت بھی ایسی ہے جس سے یہ بلا نکل سکے اور ہماری جان بچ جائے۔ ایسا اتفاق پیش آیا کہ حضرت عباسؓ سے جو لشکر کے ساتھ تھے۔ ابوسفیان ملاتی ہو گیا، ان سے بڑی منت و زاری سے استدعا کرنے لگا کہ اگر آپ سے کچھ بھی ہو سکتا ہے تو ہمارے لیے اس وقت ضرور کرو ورنہ ہم لوگ برباد ہو جائیں گے اور مکہ کی اینٹ سے اینٹ بچ جائے گی۔ عباسؓ نے کہا تم اللہ پر بھروسہ رکھو، اس پر ایمان لاؤ اور ان بتوں سے اپنی جان چھڑاؤ، چلو میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے حضور میں لے چلتا ہوں وہ تمہاری عقدہ کشائی کریں گے اور

تمہاری مشکل حل کریں گے۔ میرے ساتھ آؤ، میں آنحضرت ﷺ سے تیرے لیے امان چاہوں گا، یہ بات چیت ابھی ہو رہی تھی کہ حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا دیکھتے ہی آگ بولوا ہو گئے اور شمشیر برہنہ لیے ابوسفیان کا سر کاٹنے کو دوڑے کہ یہ کافر یہاں کدھر سے آ گیا۔ حضرت عباسؓ نے جو رنگ بگڑا اس طرح دیکھا تو وہ رسول کریمؐ کی جناب میں بھاگے گئے اور جا کے وہاں عرض معروض کی اور ابوسفیان کی جان بخشی کر اکبر عمرؓ کو آ کے اطلاع دی ورنہ انہوں نے تو ٹھان لی تھی کہ یہ شخص گردن زدنی ہے، ابوسفیان کی جب جان بچی اور اسے امان ملی تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آ کے مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

نہ کہیں جہاں میں امان ملی جو ملی تو پھر وہ کہاں ملی

میرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفو بندہ نواز میں

نبی اللہ ﷺ نے اپنے لشکر کے سرداروں سے بات چیت کرنے کے بعد یہ اعلان کر

دیا کہ اس جنگ میں تین نوع کے لوگوں پر مسلمانوں کا ہتھیار اٹھانا بالکل روا نہ ہوگا۔ اول وہ شخص جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے۔ دوئم وہ جو اپنے گھر کے اندر رہے اور مسلمانوں سے مزاحمت نہ کرے۔ سوئم وہ جو ابوسفیان کے گھر میں جا پناہ لے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی حکم دے دیا کہ ابوسفیان کو ایک اونچی جگہ بٹھا دیا جائے تاکہ وہ پچشم خود لشکر کی طاقت کا اندازہ لگا سکے اور مکہ والوں پر حقیقت حال عیاں کر سکے۔

ابوسفیان کا واپس مکہ جانا

ابوسفیان نے نبی اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے واپس جانے کی اجازت دی

جائے تاکہ قبل اس کے لشکر وارد مکہ ہو، میں وہاں پہنچ جاؤں اور مکہ والوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کروں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ احمق لوگ مقابلہ کو آمادہ ہو جائیں اور اپنی جانیں ناحق تلف کر لیں۔ ابوسفیان اجازت حاصل کر کے مکہ چلا آیا اور خانہ کعبہ میں آئے ابوکے

بلند آواز سے کہنے لگا۔

اے مکہ والو، ذرا میری بات غور سے سنو یہ وقت نازک ہے توجہ سے سنو، میں ابھی مسلمانوں کے لشکر سے آ رہا ہوں اور تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں امید ہے کہ تم پوری پوری توجہ سے اسے سنو گے، اے مکہ والو! تم مطلقاً اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے، لشکر بنی عظمت کا اندازہ اور فوج کے انتظام کی خوبی مجھ سے بڑھ کر تو تم نہیں دیکھ سکتے، میں سب جہان آنکھوں سے مشاہدہ کر کے آیا ہوں، میری سنو اور لڑائی کا وہم و گمان بھی نہ کرو، سچ پوچھو تو اب نجات ایک ہی بات میں ہے جو سلامتی اپنی اور سلامتی اپنے بال بچہ کی چاہتے ہو تو خدا نے واحد پر ایمان لاؤ اور ان بتوں سے اپنی جان چھڑاؤ، ہم پر یہ سب عذاب اور تمام عتاب ان کا لایا ہوا ہے، انہوں نے کب کسی سے وفا کی، اب تو چھوڑو ان کو جو یہ ہم سے ایک دفعہ چھوٹ جائیں، تو یقین جانو کہ ہم دنیا کے دکھوں سے چھوٹ جائیں، اے مکہ والو! اب یہ لشکر چڑھا آ رہا ہے، یہ لشکر خدا کا ہے، اسے خدا کے گھر سے آج بت نکال دینے ہیں۔ یہ خدا کا گھر ہے نہ کہ بتوں کا، ہم سب بندے خدا کے ہیں، اور محمد ﷺ رسول خدا ہے، اے میرے بھائی بندو گوش ہوش سے میری ندا سنو، خدائی لشکر پہنچا کہ پہنچا، بس گھڑی ہے کہ پل، جس کسی کو پناہ لینی ہے، یا خانہ کعبہ میں ٹھہرے یا اپنے ہی گھر کے اندرے یا میری زیر پناہ آجائے، ورنہ مارے جاؤ گے۔ اور پچھتاؤ گے۔ اے مکہ والو! مجھے اللہ نے اپنا نور عطا کیا ہے اور محمد نے مجھے مسلمان کر لیا ہے۔

ابوسفیان کی بیوی

ابھی وہ کہہ ہی رہا تھا کہ اس کی بیوی ہندہ (وہی سخت دل ہندہ جس نے حمزہ کی لاش سے ان کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا) سامنے نکل آئی، خاوند سے کہنے لگی، اے بے غیرت تو اپنے باپ دادا کا مذہب ملت ترک کر بیٹھا ہے، اب ہمیں بے دین کس لیے کرتا ہے، ادھر ہمارے بتوں کے سر پر آینی ہے، ادھر تو نے ایک نئی آفت لا ڈھائی ہے، اے قوم فروش یہ اتفاق

کا وقت تھا کہ ہم باہمی مل کر اتحادِ غنیم کا مقابلہ کرتے، اے بے ایمان اور ادھر م انسان، تو تو مجھ سے محمد کا، تو تو جاسوس ہے دشمن کا، اے مکہ والو! کہاں ہے تمہاری قوم کی غیرت اور کدھر ہے تمہارے دھرم کی لاج، آؤ بڑھو، پکڑو، مارو اسے جانے نہ دو اسے سنگسار کرو۔

ایسا طوفان بد تمیزی مچا کہ لوگ اس کی بوٹی بوٹی کھانے کو تھے کہ یکا یک ادھر شور اٹھا کہ محمدی لشکر دروازہ پر آ گیا، سب کو اپنی اپنی پڑ گئی، جدھر جس کا منہ اٹھا دوڑا اور پناہ کے لیے بھاگا۔ فاتح لشکر کی کیفیت یہ تھی کہ علم احمدی شیر ببر خالدؓ کے ہاتھ میں تھا۔ نبی اللہ ﷺ خود قصوا اونٹنی پر سوار تھے۔ اور سیاہ لباس زیب تن کیئے تھے۔ آپ کے دائیں بائیں بارہ ہزار مہاجر و انصار تلواریں الف کئے، نیزے ہلاتے، نشان اڑاتے، اسلام کے نام پر جاں نثار اور آنحضرت ﷺ کی الفت میں سرشار برابر بڑھے چلے آتے تھے۔ تکبیر (اللہ اکبر) اور تہلیل (لا الہ الا اللہ) کے نعرے بلند کئے بلا روک ٹوک مکہ تک پہنچ گئے۔ اور شہر کے دروازوں کے اندر وارد ہو گئے۔ فرداً فرداً معمولی قسم کی چند ایک حرکات بعض اشخاص سے سرزد ہو گئیں مگر مزاحمت کسی گروہ یا قبیلہ کی طرف سے بالکل پیدا ہی نہ ہوئی۔ ان اشخاص میں ایک تو جاہل ابو جہل کا بیٹا عکرمہ تھا۔ کچھ اوباش اور بد معاش قصبہ کے اور کچھ لپے لنگاڑے ارد گرد کے اکٹھے کر کے وہ ایک گھات میں آ بیٹھا جب خالدؓ وہاں سے گزرے تو اس نے تیر چلانے شروع کر دیئے معمولی سی مڈ بھٹڑ ہوئی، تین مسلمان اور تیس مشرک مارے گئے، ابو جہل کا بیٹا اپنی جہالت کا نمونہ دکھا کے بھاگ گیا اور یہی اس سے امید تھی۔ علاوہ بریں کچھ عورتیں بھی جمع ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے سر کے بال کھول دیئے اور کپڑا سر سے اتار کر گھوڑوں کے منہ پر مارنا شروع کر دیا۔ غالباً اس خیال سے کہ گھوڑے بھڑکیں، مگر یہ سب گیدڑ بھکیاں ہی تھیں لشکر خدا کا شہر میں داخل ہو چکا تھا اور رسول خدا ﷺ خانہ کعبہ بھی پہنچ چکے تھے، اب باقی رکھا ہی کیا تھا۔

باب 18 فتح مکہ

نبی اللہ ﷺ نے سات دفعہ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور پھر حرم محترم میں داخل ہو گئے۔ ۳۶۰ بت اور تصاویر وہاں اندر موجود تھیں، آپ نے اپنے دست مبارک سے ہر ایک بت کو چور چور کر دیا اور تصویروں کو جو دیواروں پر نقش تھیں مٹا دیا، سب سے بڑا بت ہبل تھا، جس کے روبرو ہر مصیبت میں مصیبت زدہ لوگ جا کے سرنگوں ہوا کرتے تھے اور جس کے تصور میں جا کے من کی مرادیں مانگتے تھے۔ یہ بت بہت اونچائی پر تھا، نبی اللہ ﷺ نے علیؑ کو اوپر چڑھایا اور ان سے اس مورتی کو چکنا چور کرایا، جب آپ کسی بت کے قریب اسے توڑنے کے لیے جاتے تو ہر بار یہ کلمہ کہتے تھے ”حق آیا اور جھوٹ گیا“ ”حق آیا اور جھوٹ گیا“

حرم محترم سے فارغ ہو کر آنحضرتؐ نے شہر کی جانب رخ کیا آدمی شہر میں شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جس نے آنحضرتؐ کو دکھ نہ دیا ہو، گستاخیاں نہ کی ہوں یا آپؐ پر لعنت پھرنے چلایا ہو، یا اور کسی نہ کسی طریقہ سے اپنا منہ کالا نہ کرایا ہو۔ آج حساب کتاب کا دن تھا، ہر بشر خائف تھا کہ بس آج میری خیر نہیں، جو جو جس نے کیا تھا وہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا۔ ماست کہ برماست کردنی خویش آمدنی پیش، جہان دیکھو ہم گین آنکھ ہی نگاہ پڑتی تھی، ہر منہ پر مردنی چھائی ہوئی تھی اور ہر فرد بشر کے سامنے اس کی موت مجسم کھڑی تھی۔

حرم اے رسول ﷺ سرور پاک
بجان افتادہ ام بردار از خاک

سید روزم سید کام و سید دل
 زآب لطف خود برشویں ایں دل
 کے جز تو نباشد دستگیرم
 مرا مگزار تا اعی نمیرم

ترجمہ:

- 1: اے رسول سرور پاک ﷺ مجھ پر رحم فرمائیے مجھ گریے پڑے کو خاک سے اٹھائیے!
- 2: میں سیاہ روز، سیاہ بخت اور سیاہ دل ہوں۔ اپنی مہربانی کے پانی سے اس دل کو دھو دیجیے۔
- 3: تیرے سوا! میرا کوئی دوسرا دستگیر نہیں ہے۔ مجھے مت چھوڑیے تاکہ میں اندھانہ م
 جاؤں۔

پینغمبری رحمت

آنحضرت ﷺ شہر کے اندر پہنچ کر لوگوں سے مخاطب ہو کے کہنے لگے ”اے قریش! آج انتقام کا دن نہیں ہے، آج روز رحمت ہے، جو جو حرکت تم میں سے کسی نے میرے ساتھ یا میری امت کے کسی آدمی کے ساتھ کی جو شرافت سے دور یا اخلاق سے بعید تھی، ہم سب نے اسے بھلا دیا تم بھی اب اسے بھول جاؤ۔ آج کے دن ”میں نے تم کو آزاد کر دیا“ آئندہ ہر بدی سے پرہیز کرو اور خدا سے مدد مانگو اعلان عام کر دیا کہ کوئی مسلم کسی مشرک سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کرے یا تو مکہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا یا اب گھر گھر شادیاں بننے لگے، یکا یک سب کے چہروں پر گئی گزری رونق پھر آنسو دار ہوئی اور خوشی و شادمانی نے پھر واپس اپنی شکل آدکھائی۔ پینغمبر ﷺ کی یہ دریا دلی اور فراخ حوصلگی دیکھ کر لوگ فریفتہ ہوئے جاتے تھے اور بار بار یہی زبان پر لاتے تھے کہ ہم لوگ تو اتنی دیر بھولے ہی رہے، ہمیں کیا علم تھا کہ محمد ﷺ جس مہر رحمت ہے۔

ابو جہل کے بیٹے کو معافی

عکرمہ بن ابو جہل تو بھاگ گیا تھا، اس کی بیوی یہیں تھی۔ سرکار میں حاضر ہوئی اور پیغمبر ﷺ سے خاوند کی جاں بخشی کی درخواست کی۔ یہ عکرمہ فتح مکہ والے روز بھی شہادت سے بغیر نہیں رہ سکا تھا، تین مسلمانوں کو شہید اور تین مشرک اپنی طرف کے قتل کرائے، روپوش ہو گیا تھا۔ علاوہ بریں دونوں باپ بیٹا عمر بھران ہی ریشہ دوانیوں میں ہمتن مصروف رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا سر کس طرح کاٹا جائے۔ سو اونٹ اور ہزار سکہ چاندی انعام آپ کا سر قلم کرنے کیلئے رکھنا بھی اسی اجہل خاندان کے جاہلوں کا کام تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے سب کچھ یک قلم بھلا دیا اور معاف کر دیا جب عکرمہ کی بیوی اور ماں برقع پوش عکرمہ کو ساتھ لے گئے جناب میں حاضر ہوئیں تو آپ ایسے التفات و ارتباط سے پیش آئے کہ جیسے کوئی پیمبر دوست ملا کرتا ہے۔ عکرمہ نے آخر بیعت بھی کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ماں اور بیوی بھی مسلمان ہو گئی۔

اپنی دختر کے قاتل کو معافی

ایک بد کردار بنام ہبار تھا۔ اس نے نبی اللہ ﷺ کی دختر نیک اختر حضرت زینب کو جب وہ حاملہ تھیں اور مدینہ میں جا رہی تھیں۔ بڑی بے رحمی سے پتھر مارے تھے کہ وہ اونٹ سے گر گئیں اور اسی صدمہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ یہ ہبار ناہنجار بھی دربار میں حاضر ہوا اور دست بستہ معافی چاہی، نبی اللہ ﷺ نے معاف کر دیا۔

شاعر زہیر کو معافی

ایک شخص کعب بن زہیر ایک عجب فتنہ پرداز تھا، مگر اللہ کی شان یہ ایک بڑا قابل شاعر تھا اور عجب ذہن رسا رکھتا تھا۔ اس کی تمام ذہانت آنحضرت ﷺ کی جھوٹے لکھنے میں خرچ ہوا

کرتی تھی۔ ”صداقت و پھنکار بریں ذہن رسارا“ اس شخص کے زور قلم سے مسلمانوں کو اتنا نقصان پہنچا جتنا کہ ہزار کفار کے زور بازو سے نہ پہنچا ہوگا۔ اب یہ ایک قصیدہ لکھ کر لایا، ملتجی معافی ہوا آپ نے معاف کر دیا۔

حبشی وحشی کو معافی

ایک شخص جس کا نام وحشی تھا، وہی سیاہ شکل و سیاہ دل تھا جس نے حضرت حمزہؓ کا قتل کیا تھا، جو آنحضرت ﷺ کے چچا تھے۔ اس نے بھی سرکار میں حاضر ہو کر اپنی حرکت سے پشیمانی ظاہر کی، آپ نے اسے بھی معاف کر دیا۔ حبشی کہا کرتا تھا کہ کفر میں جس طرح خیر الناس حمزہؓ میرے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ اسی طرح اسلام میں شر الناس مسیلمہ کذاب میرے ہاتھ سے فی النار ہوا ہے۔ یہ کذاب وہی شخص ہے جس نے دعویٰ پیغمبری کا لیا تھا۔

سردار ابوسفیان کی بیوی ہندہ کو معافی

اب آئی وہ کینہ سے بھری اور ڈاہ اور کپٹ والی ہندہ، جنگ احد بھی اپنے خاوند کو طعن و تشیع کر کے اسی نے کرائی۔ اسی پر قناعت نہ کر کے خود لڑائی میں گئی اور بنی النہدیہ کے چچا حمزہؓ کی لاش پر چڑھ کر اوپر بیٹھ گئی۔ ان کا ناک اور کان اس نے خود کتر ڈالا، پھر اسی ڈائن نے ان کا کلیجہ نکال کر اپنے منہ سے چبایا، پھر اسی بد کردار عورت نے فتح مکہ والے روز اپنے خاوند کی داڑھی پکڑ کے اسے خوب مارا پیٹا اور گھسیٹا اور یہ عورت صرف اس تقصیر میں کہ اس نے اسلام کیوں قبول کیا، بائیں ہمہ آنحضرت ﷺ نے اسے بھی معاف کر دیا۔

معافی عام

سبحان اللہ! کیا ٹھکانا دریائے رحمت کی اس طغیانی کا تھا، یہ دریا اٹھا اور ہر غاظت و عنفونت گنا کی بہا لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قتل کے قصد کرنے والوں کو، اپنی نور چشم

کے قاتلوں کو، اپنے چچا کے کلیجہ کھانے والوں کو، سبھی کو معافی دے دی اور قطعی معافی قبل نام دینا کی تواریخوں میں اکثر سنتے تھے مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی اور عقل سے پوچھو تو وہ تو اب بھی نہ مانے کہ ایک بندہ خدا بندگان خدا پر اتنا رحم و فضل کر سکتا ہے کہ قاتلوں کو معافی نام دے دے، مگر اس بچاری بھولی بھٹکی عقل کو اس ایک کی کیا خبر وہ "ایک" رسول خدا ﷺ وہ "ایک" رحمت کا دریا نہ اسے کینہ سے کام نہ انتقام سے غرض، وہ رحم کا چشمہ وہ محبت کا منبع، وہ بندہ کا بے یار و مددگار، وہ حبیب خدا ﷺ۔

یا رسول اللہ ﷺ حبیب خالق یکتا توئی
 برگزیدہ ذوالجلال پاک بے ہمتا توئی
 نازنین حضرت حق صدر بدر کائنات
 نور چشم انبیا چشم چراغ ما توئی
 یا رسول اللہ ﷺ تو دانی امتانت عاجزند
 عاجزان را رہنما و جملہ را ماوا توئی

ترجمہ:

- 1: یا رسول اللہ ﷺ آپ خدائے واحد کے محبوب ہیں اور خدائے ذوالجلال و بے مثال کے آپ برگزیدہ ہیں۔
- 2: آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور کائنات کے منبع نور ہیں۔ انبیاء کی آنکھوں کی روشنی اور ہمارے چراغ کی آنکھ بھی آپ ہیں۔
- 3: یا رسول اللہ ﷺ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے امتی بے بس ہیں۔
 آپ تمام بے بسوں کے رہنما اور سب لوگوں کا ٹھکانہ ہیں۔

باب 19

جنگ ہوازن

مسلمانوں کا اقتدار بڑھتا دیکھ کر قبیلہ ہوازن اور ثقیف کے سرداروں کے دل میں یہ شبہ بیٹھ گیا کہ مسلمانوں نے مکہ تو لے لیا ہے، ہماری اب خیر نہیں۔ یہ جنون ان کے دماغ میں ایسا گھر کر گیا کہ ہر وقت اسی خط میں لگے رہتے تھے اس بناء پر انہوں نے تیاریاں جنگ کی بھی شروع کر دیں اور ایک بھاری لشکر مکہ پر دھاوا کرنے کے لیے کھڑا کر لیا۔

ادھر اللہ کے نبی ﷺ کو جب ان کی کارستانیوں کی خبر ملی تو آپ نے یہ صلاح ٹھہرائی کہ قبل اس کے کہ غنیم مکہ کے قرب و جوار میں پہنچ جائے اور ہم یہاں اس کا مقابلہ کریں۔ بہترین طریق یہ ہو گا کہ اس کے نسب راستے پہلے ہی روک دیئے جائیں اور وہ اس جانب بڑھنے ہی نہ پائے۔

چنانچہ آپ نے کوچ کا حکم دے دیا۔ بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ جوان مسلم و نامسلم مکہ سے دشمن کے مقابلہ کو چل پڑا اور شہر سے دس میل کے فاصلے پر مقابلہ ہو گیا۔ جانہین سے ہر دو لشکر جان توڑ کے لڑے مگر دشمن کو دندان شکن شکست اٹھانی پڑی۔ قلعہ سر ہو گیا فتح مکہ والوں کی رہی۔ علاوہ بہت سے زروہاں کے ۲۰۰۰ قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے جو رسم و رواج وقت اور آئین جنگ کے مطابق غلام قرار دیئے گئے اور مسلم سپاہ میں تقسیم کیے گئے۔

لڑائی کے خاتمہ پر رسول اللہ ﷺ جو میدان جنگ سے گزر رہے تھے تو اتفاقاً آپ ﷺ کی نظر ایک لاش پر جا پڑی۔ آپ ﷺ وہیں رک گئے اور دریافت کیا کہ یہ فعل کس کا ہے۔ کسی نے پاس سے کہا کہ خالدؓ نے اسے قتل کیا ہے۔ آپ نے اسی وقت خالدؓ کو بلوایا اور عبرتاً

سمجھایا کہ عورت یا بچہ یا مزدور پیشہ شخص کا قتل سپاہی کے لیے ناروا ہے۔ جو شخص خود ہتھیار نہ اٹھائے اور مقابلہ کو سامنے نہ آئے اس کا قتل جائز نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

ایک اور واقعہ بھی اس جنگ میں پیش آیا۔ وہ یہ تھا کہ نبی ﷺ نے بوٹ کا مال متاع قریش اور دیگر قبائل کو تقسیم کر دیا تھا اور انصار کو اس دفعہ اس سے کچھ حصہ نہ پہنچا۔ اس پر ان کو رنج پیدا ہوا، آنحضرت ﷺ کو جب یہ خبر لگی تو آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور مخاطب ہو کر یوں کہا۔

اے انصار تم لوگ گمراہ تھے، تم کو راہ راست پر لایا گیا۔ تمہیں باہمی فتنہ فساد سے جو ہر وقت کام تھا، نکال کر باہم متحد و متفق بنایا گیا۔ تمہیں ایک دوسرے کا یار غمخوار بنایا۔ تم، میل و رسوا رہتے تھے، تم کو معزز سردار بنایا، اے انصار! مجھے یہ بات سن کر رنج پیدا ہوا ہے کہ میں تو تمہارے لیے یہ سب کچھ کروں مگر تم مجھ سے کشیدہ خاطر اس لیے ہو جاؤ کہ میں نے دو اونٹ فلاں شخص کو کیوں دے دیئے اور تم کو کیوں نہیں دیئے۔ چار بھینریں کیوں فلاں کے حوالہ کر دیں اور تمہارے لیے نہیں رکھیں۔ اے انصار تم اس بات پر خوش نہیں ہوتے کہ اوٹ اونٹ اور بکریاں ساتھ لے کر گھر جائیں اور تم رسول ﷺ کو ساتھ لے کر گھر آؤ۔

یہ سننا تھا کہ انصار اپنے فعل سے شرمسار ہو گئے کہنے لگے۔ یا رسول ﷺ ہم نے حماقت کی کہ آپ کی تقسیم پر حجت کی، یہ بالکل بجا ہے اور ہمارا تمام غلوہ شکایت ناروا ہے۔

چھ ہزار غلام کی آزادی

قیدیان جنگ کی غلامی نے آپ کی طبیعت پر بڑی قلع پیدا کر رکھی تھی، مگر کوئی مناسب موقع ہاتھ نہ لگتا تھا کہ انہیں آزاد کر دیا جائے۔ ایک دن حسن اتفاق سے ہوازن کے سفیر آئے اور انہوں نے آ کے منت سماجت کی کہ آپ ﷺ سب پر رحم کرتے آئے ہیں، مگر

ایک ہم ہیں کہ اس فیض سے اب تک محروم ہیں، ہم پر کرم کیجیے اور ہمارے قیدی آزاد کیجیے، رسول اللہ ﷺ تو دل سے ایسے موقع کے منتظر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ایسے کرو کہ نماز کے وقت مسجد میں آ جاؤ، جب ہم لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تو تم یہی درخواست سب مسلمانوں کے روبرو پیش کرو۔

مطابق ہدایت کے یہ سفیر نماز کے بعد مسجد پہنچ گئے اور رہائی کی التجا کی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سنتے ہی سفیران ہوازن سے کہا کہ میں اپنے اور اپنے خاندان کے غلام خدا کے نام پر بغیر کسی معاوضے کے آزاد کرتا ہوں۔ ”جو نبی ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ نکلا۔ فوراً ہی جملہ جماعت کے لوگوں نے ایک زبان فیصلہ کر لیا کہ ہم نے بھی اپنے اپنے غلام بلا معاوضہ یا تاوان نام نبی رہا کر دیئے۔ یہ تو امید ہی تھی، مسلم کو محمدؐ کا اشارہ ہی کافی تھا، چہ جائیکہ وہ نمونہ نبی ﷺ کی نیکی کا اپنے سامنے دیکھے اور پھر تقلید اس کی نہ کرے، اک آن کی آن میں چھ ہزار آدمی یا تو غلام تھا یا آئین احمدی کے اک کرشمہ سے پھر پایہ، انسان تک پہنچ گیا۔

نبی اللہ ﷺ کی اس مروت سے یہ لوگ اس درجہ کے متاثر ہوئے کہ ان رہائی یافتہ غلاموں نے اسلام قبول کر لیا۔

حاتم طائی کی بیٹی

قبیلہ طے کے لوگوں نے اب سراٹھایا، یہ لوگ غیر مسلم تھے، ہر چند مسلمانوں نے ان کے ساتھ سلوک و رسوخ رکھنے کی کوشش کی مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا اور شرارت بڑھتی ہی گئی، بلکہ طے والوں نے اور قوموں کو بھی مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کا رویہ اختیار کر لیا جس کسی سے ملتے جلتے، اہل اسلام کو اور بالخصوص آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کے متعلق بہت برا بھلا کہتے۔ خفیہ تیاری جنگ پر بھی انہوں نے اب کمر باندھ لی تھی۔

جب آنحضرتؐ کو ان کی ریشہ دوانیوں کا علم ہوا، تو آپؐ نے علیؑ کو ان مفسدہ پردازوں کی گوشمالی کے لیے تعذبات کیا۔ سردار طے جو شہر عرب ”حنی حاتم“ کا بیٹا تھا۔ مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور بھاگ گیا۔ سپاہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اسیران کی جماعت سر کاہنہؑ میں حاضر کی گئی۔ اس بد قسمت گروہ میں پجاری مصیبت کی ماری دختر حاتم طائی بھی شامل تھی، نبی اللہ بھلا کہاں یہ برداشت کر سکتے تھے کہ ایسے ننی باپ کی بیٹی اس بے کسی کی حالت میں رہے۔ آپؐ نے دیکھتے ہی فوراً اس کی رہائی کا حکم دے دیا مگر آفرین ہے اس کی تربیت پر اور صد آفرین اس کی شرافت پر حکم رہائی کا سن کر کے کہنے لگی مجھے اس رہائی میں کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ جب میرے سب خویش اقارب قید میں رہیں یہ میرے لیے بہت مشکل ہے۔ آگے بھائی بھاگ گیا ہے، اب میں بھی اپنے آدمیوں سے منہ موڑ جاؤں، یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوگا جو بھی جرم ہے ہم سب کا یکساں ہے، میں بھدرضا اور غبت اس جرم کی سزا اپنے بھائی بندوں کے ساتھ بھگتوں گی، ان سے غلیجہ گی مجھے سخت سزا ہے، قید رہوں گی تو ان کے ساتھ رہوں گی۔ یہ میرے ہیں اور میں ان کی ہوں میں گھر سے ان کے ساتھ ان ہی کی ہو کے چلی تھی اور یہاں بھی ان کے ساتھ ان ہی کی ہو کے رہوں گی۔

اے محمدؐ! اے حاکم وقت! مجھے رہائی کی مروت سے رہائی دے۔ مجھے اس رہائی سے یہ قید بھلی۔ میں کیا منہ لے کے واپس اپنے گھر جاؤں گی۔ میری خوشی اسی میں ہے کہ مجھے اپنے بھائی بندوں کے ساتھ قید رہنے کی اجازت دے۔

نبی اللہ ﷺ نے جب یہ گفتگو اس لڑکی کی سنی تو آپؐ کا دل بھر آیا۔ حکم دیا کہ سب قیدیوں کے بند کھول دو اور سب کو آزاد کر دو۔

باب 20 جنگِ موتہ

آنحضرت ﷺ نے حاکم بصرہ کی طرف اپنا ایلچی روانہ کیا اور اس کام پر حارثؓ کو مامور کیا۔ ان کو راستہ میں اتفاق سے شجر بن عمر عیسائی مل گیا۔ یہ شخص قیصر کے دربار کے امیروں کبیروں سے تھا اسے ایک تو گھمنڈ اپنی امارت کا تھا، دوسرا اسے دلی عناد مسلمانوں سے تھا، جو نبی کہ مسلمانوں کے ایلچی کو اس نے اکیلا پایا، فوراً حکم اس کے قتل کے دے دیا اور اسے مروا ڈالا، حارثؓ کے بے گناہ و بے تقصیر مارے جانے سے آپؐ کے دل پر بڑا صدمہ پہنچا، قطع نظر اس کے آپؐ اپنے ملک کے حاکم وقت تھے، قتل ایلچی کوئی معمولی بات نہ تھی، جو سہری طور پر نظر انداز کی جاسکتی۔۔۔ اس وقت خاموش رہنے سے آپؐ کے اندرونی انتظام ملک میں خلل پیدا ہونے کا بڑا خطرہ تھا اور گرد و نواح کی اقوام میں بد امنی کا اندیشہ علیحدہ۔ کیا مسلم و کیا نا مسلم، سبھی نے مل کر آپؐ سے مطالبہ اس امر کا کیا کہ شجر بن عمر جیسے دشمن کا ایسا انسداد کما حقہ کیا جائے کہ آئندہ کوئی عیسائی کسی بے گناہ مسلم کی جان کا قصد نہ کر سکے۔

آپؐ نے حملہ کا حکم دے دیا کہ شجر بن عمر کو گرفتار کیا جائے۔ حکم نبی اللہ ﷺ کا ملنا تھا کہ تین ہزار مسلم جرار اسلام کے نام پر مرنے مارنے کو تیار گھروں سے نکل پڑا، لشکر مخالف بھی دوسری طرف سے بڑھا آ رہا تھا، موتہ پہ آ کے مقابلہ ہو گیا، دونوں طرفوں نے اپنی اپنی صفتیں جمادیں، تلواریں نیام سے کھینچ لیں اور کشت و خون شروع ہو گیا۔ لڑائی ایسی لگی کہ خون کی ندیاں بہہ نکلیں، شرجبیل کا بھائی لڑتا مارا گیا، مگر خود شرجبیل بھاگ گیا۔ سفیر کو مار ڈالنا تو اس نے سہل

سمجھا تھا مگر اب جان بچانی اسے مشکل ہو گئی۔ اس نے بھاگ کر ایک قلعہ میں جا پناہ لی اور ہر قتل سے مدد مانگی، ہر قتل قسطنطنیہ کا شہنشاہ تھا۔ اس نے بڑی بھاری فوج مدد کو روانہ کی، ایک لاکھ عیسائی ایک طرف سے اور قریباً تین ہزار مسلم دوسری جانب سے ایک دوسرے سے مقابلہ میں آمنے سامنے آ کے ڈٹ گئے۔ اتنا ٹڈی دل لشکر دیکھ کر مسلمان حیران رہ گئے اور دست بدعا ہو گئے۔

اس وقت ہر طرف سے ہلاکت کے سیاہ بادل مسلمانوں کی اس قلیل جماعت پر چھا گئے تھے اور کہیں سے بھی کوئی روشنی کی شعاع انہیں نظر نہ پڑتی تھی کہ یکا یک ایک شہرہ دل مسلم جس کا نام عبداللہ بن رواحہ تھا۔ آگے بڑھا اور لاکارا۔

اے مسلمانوں! کیا تم آج کوئی نئے لڑنے کو نکلے ہو کہ غنیم کی سپاہ دیکھ کر تمہارے دل دہل جائیں! کیا تمہیں یہ خبر نہیں کہ دشمن کی طاقت اس کے لشکر پر ہے، مگر ہماری ہمت ہمارا ایمان ہے! ہمیں خوشی اسلام کے نام پر کٹ کے مر جانے میں ہے نہ کہ فتحیاب ہو کے گھر جانے میں! اے مسلمانو! اے جوانمردو! آؤ نکلو، بڑھو آگے، مارو، مرو اور شہادت کا انعام پاؤ، اس کے منہ سے یہ نکلنا تھا کہ لشکر کی چاروں جانب سے اللہ اکبر اللہ اکبر کے نعروں سے آسمان گونج اٹھا، مسلمانوں کے بچھے ہوئے دل پھر روشن ہو گئے اور دھرم کی سوئی ہوئی آگنی ان کے بردہ میں پھر سلگ اٹھی، ہر مسلم کے من سے اسلام کے پریم کا ایک ایسا شعلہ نکلا کہ اس کا تن بدن آگن ہو گیا۔ علیبردار کا حکم دینا تھا کہ تین ہزار مسلم ایک لاکھ عیسائی پر ٹوٹ پڑا اور۔

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر

مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

لڑائی ترازو کے تول تل گئی، جانین سے جانباڑوں نے بڑھ بڑھ کے

جانیں دیں، مگر مسلمان تو ایسا دل توڑ کر لڑے جیسے واقعی میدان سے بچ جانا ہی ان کے لیے گناہ

قرار دے دیا گیا تھا۔ دن بھر ان کے دائیں بائیں ان کے ساتھی ہمراہی اور سپاہی کلتے مرتے سکتے دم دیتے رہے اور یہ اپنی آنکھوں دیکھا کئے مگر مجال کہ ان کا پاؤں جگہ سے ہلے یا دل ٹھکانے سے ہٹے ایسے ڈٹ کے جمے جیسے اعتقاد اسلام ان کے دل پہ جما ہوا تھا۔ عیسائی یہ حالت مسلم دیکھ کر ششدر و حیران رہ گئے کہنے لگے یہ لوگ بنی نوع انسان ہیں یا اس بلا کے بندہ ہیں۔ یہ کس مٹی کی ساخت ہیں، آخر ان کو ہوا کیا جا رہا ہے۔ یہ کیوں مرنے پہ عاشق ہیں اور کیوں جان سے اس قدر لاپرواہ ہیں۔ ہم نے سمجھا تھا کہ آخر یہ کہاں تک لڑیں گے، ایک کا علاج دو ہوا کرتا ہے۔ یہ تین ہزار ہیں اور ہم سو ہزار ہم تو چور ہو گئے۔ اس پر بھی یہ وار پہ وار کیے جا رہے ہیں مسلمانوں کی استقامت کا عقدہ عیسائیوں سے حل نہ ہو سکا نہ ان کی اسلام پر جاں نثاری کا مسئلہ ان کے دماغ تک پہنچ سکا۔ وہ نئی روح جو مسلمانوں کے اندر پھونکی گئی تھی۔ جو یہ صدقہ اور قربانی کر رہی تھی اس کے علم سے عیسائی بالکل بے بہرہ تھے۔

اتنے میں شام کی آمد سے اندھیرا ہو گیا اور لڑائی ختم گئی رات کو مٹھی بھر مسلمانوں نے جو باقی رہ گئے تھے یہ صلاح ٹھہرائی کہ صبح ہوتے ہی پھر دھاوا بول دیں اور اسی میدان میں اپنے شہید ہمراہیوں کے پہلو بنے پہلو شہادت حاصل کریں، عیسائی ادھر باوجود اس قدر بھاری سپاہ کے کچھ شش و پنج میں پڑے ہوئے تھے کہ اب لڑیں یا پیچھے مڑیں، ان کو اب یہ تو خوب ذہن نشین ہو گیا تھا کہ جب تک کوئی نام کا مسلمان بھی باقی ہے، میدان نہیں دے گا۔ اس لیے وہ کچھ دل شکستہ سے رات بھر رہے، ادھر مسلمانوں کے تین سپہ سالار مارے جا چکے تھے اب چوتھے حضرت خالدؓ تھے انہوں نے علم لیتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ دوسری صبح نور کے تڑکے اپنی تمام صفوں کا رخ الٹ پلٹ دیا۔ لشکریوں کو آگے پیچھے ہٹا دائیں بائیں ہلا ایک نئی شکل اور جدید صورت کا نقشہ بنا کے کھڑا کر دیا تاکہ ایک تو دشمن کل کے تجربہ سے آج فائدہ نہ اٹھا سکے، دوئم یہ کہ لڑائی کا زور سب پہلو پر یکساں رہے، جو تھک کے چور ہو گئے ہیں، انہیں رادم لینے کی

فرصت بھی ہو جائے، دشمن نے جو نہیں یہ نیا انتظام دیکھا تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ دینی ملک مسلم سپاہ کیلئے پہنچ گئی ہے، دل تھوڑا تھوڑا تو ان کا پہلے ہی سے ہوا جا رہا تھا، اب بالکل ہی ٹوٹ گیا۔ بھاگ نکلے اور ایسے بھاگے کہ کہیں دم تک نہ لیا میدان موتہ مسلم کے ہاتھ رہا اور نصرت اسلام کے نام لکھی گئی۔

اس جنگ پر بھیجے ہوئے رسول کریم ﷺ نے اپنا علم زید کے ہاتھ میں دیا تھا۔ جب وہ لڑتے لڑتے دشمن کے لشکر میں جا گھسے اور وہیں شہید ہو گئے تو پھر محمد علم حضرت جعفر طیارؓ نے لے لیا وہ بھی ایسے لڑے کہ کوئی کیا لڑے گا، پہلے تو ان کا گھوڑا زخمی ہو کے گر پڑا، پھر ان کا دایاں بازو کٹ گیا، بعد شہادت باہیاں بھی اسی طرح کام آیا، آخر کو خود بھی شہید ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ واقعہ سنا تو آپ ﷺ کے آنسو نکل آئے، آپ ﷺ فرماتے لگے کہ ذات باری نے ان دو بازوؤں کی جگہ جعفرؓ کو دو ایسے بازو جنت میں عطا کیے ہیں کہ وہ اڑتے پھرتے ہیں۔ اسی لیے ان کو ”طیار“ کہتے ہیں۔ ان دونوں پہ سالاروں کے گزر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا نشان عبداللہ بن رواحہؓ نے لیا، وہ بھی شہید ہو گئے، یہ تمام شہداء آنحضرت ﷺ نے خود مقرر کر کے بھیجے تھے کہ زیدؓ کی شہادت پر عبداللہؓ نشان لے لیں، ان تینوں کی شہادت کے بعد چونکہ سردار لشکر کوئی مقرر نہ تھا۔ سپاہ نے جو خالدؓ کو بالاتفاق انتخاب کر لیا تھا اور علم ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ ان کی ترکیب و ترتیب ایسی احسن ثابت ہوئی کہ دشمن نے شکست فاش کھائی۔ آنحضرت ﷺ نے اس نمایاں خدمت کے صلہ میں خالدؓ کو سیف اللہ کا خطاب عطا کیا۔

حضرت زیدؓ وہی بچارے بیکس غلام حضرت خدیجہ کے تھے، جن کو آنحضرت ﷺ نے قبل از بعثت آزاد کیا تھا اور حضرت جعفرؓ، حضرت علیؓ کے بھائی تھے۔ جو اس گروہ کے سرگروہ تھے۔ جس نے حبش میں ہجرت کی تھی۔

باب 21

رسالت و سفارت

رسالت و سفارت

ملک حجاز میں اب شجر اسلام جڑ پکڑ گیا تھا اور یہ اندیشہ مسلمانوں کے دل سے دور ہو گیا تھا کہ اسے قریش کی آندھی یا یہود کا طوفان کوئی نقصان پہنچا سکے گا، چونکہ یہ اطمینان قوی ہو چکا تھا، اب آپؐ نے توجہ باہر کے ممالک کی طرف مبذول فرمائی، چونکہ آپؐ کا پیغام لائے تھے۔ اس لیے یہ لازم تھا کہ پیغامبری کی جاتی اور پیغام الہی کی اطلاع ملک بہ ملک پہنچائی جاتی، اس حکم الہی کی تعمیل میں آپؐ نے دعوت اسلام کے خطوط عرب کے ارد گرد ممالک میں شاہان وقت کو اپنے ایلچیوں کی معرفت روانہ کیئے۔ مراسلے سر بمہر تھے۔ مہر پر، ”محمد رسول اللہؐ“ نقش تھا، آپؐ کے سفیر حبشہ، ایران، روم، شام اور مصر میں پیغمبری پروانہ لے کے پہنچے تحریر صاف صریح تھی اور نوشتہ دلیرانہ اس پایہ کی تھی جیسے کہ ایک نبی اللہؐ کی شان کے شایاں ہو۔۔۔۔۔

بھیجئے والا اس خط محمدؐ جو خدا کا بندہ ہے اور اللہ کا رسولؐ ہے۔ بنام شاہ۔
 ملک فلاں، والیے فلاں، واضح ہو کہ سب خلقت خدا کی ہے تم بندہ اس کے ہو،
 میں تم کو اس کی طرف راغب کرتا ہوں، اس پر ایمان لاؤ اور عاقبت کا نفع اٹھاؤ۔۔۔۔۔
 نجاشی بادشاہ حبشہ نے توجہ سے آنحضرتؐ کی رسالت کا ذکر سنا تھا، تب ہی
 دل میں اسلام قبول کر لیا تھا مگر اب اس نے علانیہ اپنا اسلام قبول کرنا سب کے سامنے تسلیم کر

لیا۔ شاہ روم نے بھی محمدی سفارت کی بڑی عزت کی اور تحفہ تحائف دے کر واپس لیا، دل سے اسلام اس نے بھی قبول کر لیا، مگر دائیں بائیں اس کے عیسائی ہی عیسائی تھے۔ وہ یہ حوصلہ اس وقت نہ کر سکا کہ لوگوں میں برملا اعلان کر دے، کیونکہ اسے یہ اندیشہ تھا کہ میرے مسلمان ہو جانے سے مبادا میری سلطنت میں فتور مچ جائے، شاہ ایران البتہ سفیر سے اچھی طرح پیش نہ آیا مگر اللہ نے اسے جلدی ہی سزا بھی اس کی دے دی۔

امیر و غریب یکساں

ان ہی ایام میں ایک اچھے گھرانے کی بڑی متمول عورت بجرم چوری برفقار ہو گئی۔ جرم اس پر ثابت ہو گیا اور مطابق قانون وقت اس وقت اس کے ہاتھ کانٹے کا حکم دے دیا گیا، یہ عورت بڑے رسوخ والی تھی، بڑے بڑے لوگ سفارشی آئے اور آ کے حضور میں عرضی کہ اس کا پیشہ چوری نہیں ہے، نہ اسے کسی چیز کی پرواہ ہی پڑی ہے، مگر یہ فعل شامت اعمال سے کریمتی ہے، آپ ﷺ اسے معافی دیں اس پر رحم کریں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ۔۔۔

امیر و غریب کے ساتھ اللہ کی حدود مساوی ہیں۔ پہلی امتوں میں اسی سے تو خرابی واقع ہوئی ہے کہ لوگوں نے غریبوں کے لیے ہی تمام قاعدے نافذ کئے اور اونچے لوگوں کے لیے کوئی قید نہ رکھی، قسم اس خدا کی، جس کے یہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اگر محمد ﷺ کی لڑکی فاطمہؑ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ بھی اسی طرح کاٹا جائے گا۔ جس طرح اس چور کا، مجھ سے یہ توقع ہرگز نہ رکھنی چاہیے کہ میں امیروں کیلئے ایک نلحدہ قانون بناؤں گا اور غریبوں کے لیے ایک نلحدہ، میرے لیے یہ ہر دو آنکھیں برابر ہیں۔

آئین احمدی کا یہ نمونہ مشاہدہ کر کے سفارشی لوگ اپنا سامنے لے کر واپس چلے گئے۔

شاہ غسان کا مسلمان ہونا

انہی دنوں میں آنحضرت ﷺ نے ایک مراسلہ بادشاہ غسان کو لکھا اور اسلام کی دعوت بھیجی، اس نے اسلام کا چرچا اور آپ ﷺ کی رسالت کا تذکرہ پہلے بھی کچھ سنا تھا، سفیر پہنچنے پر زیادہ ہی متاثر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔ عمر کی خلافت کے زمانہ میں ایسا واقعہ پیش آیا کہ اس بادشاہ نے اپنی شاہی کے نشہ میں اور طیش کی حالت میں ایک بیکس مسلمان کو ایک طمانچہ مار دیا، عمرؓ نے حکم دیا کہ جب تک اس مظلوم کو راضی نہ کرے گا، یہ گناہ تیری گردن پر رہے گا اور تیرے ساتھ بھی ایسا سلوک کیا جائے گا جیسا کہ تو نے اس عاجز کے ساتھ کیا ہے تو بیشک بادشاہ ہے مگر اسلام کی نگاہ میں تو مرتکب جرم ہے اور قابل سزا ہے۔ بادشاہ بڑا جھنجھلایا اور کہنے لگا کہ یہ اسلام بھی غضب ڈھاتا ہے میں حاکم کیا ہوا، جو مجھے ایک طمانچہ چلا دینے کا اختیار بھی اپنی رعیت کے ایک آدمی پر نہ ہوا، یہ عجب نوع کی مسلمانی ہے کہ چھوٹے بڑے میں کوئی امتیاز ہی نہ رکھا جائے اور حاکم و محکوم میں تفریق ہی اڑ جائے، عمرؓ نے جواب میں کہا کہ بادشاہ سلامت اسلام اخلاق اور انصاف پر مبنی ہے۔ یہاں شاہ و گدا کا درجہ اس لحاظ سے برابر ہے، بادشاہ بڑا گھبرایا اور سوچنے لگا کہ اگر میں مرتد ہو جاؤں تب بھی خلاصی نہیں اور جو مسلمان تو یہ اب میری توقیر رہ گئی ہے۔ اب میرا کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ میں نے چھوڑا اسلام اور ساتھ ہی اپنی سلطنت کا انتظام کسی اور کے حوالے کر کے بھاگ کر ملک شام کو چلا گیا۔ روایت ہے کہ موت سے پہلے اس نے پھر اسلام قبول کر لیا۔

محمدی سفیر

نبی اللہ ﷺ نے اسلام کا پرچار برابر جاری رکھا، قبیلہ قبیلہ میں ایک مسلمان عالم

اسلام کی ایتیں سمجھانے اور راہ حق بتانے کے لیے تعینات کر دیا تھا، نتیجہ اس کا نہایت خاطر خواہ ثابت ہوا۔ ۱۰ ہجری تک قریبا قریبا کل عربستان مسلمان ہو گیا۔ اسلام نے زیادہ تر روک مکہ میں ہی دیکھی یا کچھ رکاوٹ پھر بھی، یہاں ”گھر کا پیر بلکا“ والی بات بھی غائب تھی اور سہ تھی ہی یہ دقت بھی حائل تھی کہ بتکدہ مکہ میں تھا۔ وہیں سے بتوں کا نکالنا تھا۔ اس لیے بتوں کے خلاف معرکہ آرائی مکہ ہی میں ہو سکتی تھی۔ جب یہ میدان صاف ہو گیا اور بتوں کا قابو لوگوں کے دلوں سے ہٹ گیا تو پھر اسلام جہاں جہاں بڑھتا گیا، اپنا جھنڈا گاڑتا گیا، آئے دن کسی نہ کسی حاکم یا سردار، امیر یا تاجدار کے مشرف باسلام ہونے کی خبر حضور تک پہنچ جاتی تھی۔ نبی ﷺ کی رحلت سے پہلے عرب کے ارد گرد کے ممالک میں اسلام کا بول بالا ہو رہا تھا اور مسلمانوں کی ہر جگہ دکھا ک بندھ رہی تھی اس گرد و نواح میں کوئی دربار باقی نہ رہا تھا، جہاں مسلمانوں کی سفارت موجود نہ ہو، نہ کوئی سلطنت ہی ایسی تھی، جہاں مسلم ایلچی نظر نہ آتا ہو۔

باب 22 اشارہ روانگی

جس شخص کی محنت کا صلہ اور مشقت کا ثمرہ اس کی اپنی حیات میں اسے قدرت اس طرح مہیا کر دے، جس انسان کی آتما کو یہ کامل تسلی و تشفی ہو جائے کہ وہ مقصد جس کے لیے ذاتِ حق نے اسے دنیا میں بھیجا تھا۔ وہ پورا ہو چکا ہے۔ ایسے انسان کے اطمینان قلبی کا اظہار وہ خود ہی کرے اور کون کر سکتا ہے، جب نبی ﷺ اس خوش نصیبی سے بہرہ ور ہو چکے تو نزول آیت ہوئی، جو بشارت روانگی کی رکھی تھی۔

نزول آیت نسبت روانگی

”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت

لکم الاسلام دیناً“

ترجمہ: آج میں نے تم لوگوں کے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اپنی نعمت تم پر پوری کی

اور تمہارے لیے دین اسلام میں نے پسند کیا۔

اس وحی سے اشارہ عیاں تھا کہ جس مدعا کے لیے آنحضرت ﷺ دنیا میں بھیجے گئے تھے، وہ پوری ہو چکی ہے، یہ امر قوی دلیل اس بات کی رکھتا تھا کہ آپ ﷺ کا وقت اب ختم یہ ہے اور کہ اس دنیا میں آپ ﷺ کے دن ختم ہونے والے ہیں آپ ﷺ نے جبل عفات پر جا کر مسلمانوں سے مخاطب ہو کے فرمایا۔۔۔۔۔

”اے اہل اسلام، شاید میں اگلے سال تم میں نہ ہوں گا، اب جو چہ بتا ہوں کان لگا کے سنو اور دل سے اس پر توجہ کرو، جس طرح یہ مہینہ اور خاص کر یہ دن آبادی میں تم لوگوں کے لیے مقدس ہے، اسی طرح ہر مسلمان پر دوسرے کا مال اور عزت و آبرو اور جان و مال مقدس ہے۔ مسلمانو! یہ یاد رکھو کہ قیامت کے دن تم سب کو اپنے خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ وہ اس وقت تمہارے تمام افعال اور جملہ حرکات و سکنات کا حساب کتاب لے گا۔ دیکھو عورتوں کے ساتھ کبھی بد سلوکی نہ کرنا، ان سے ہمیشہ مہربانی کے ساتھ پیش آنا، غلاموں کو وہ آسائش دینا جو تم اپنے آپ کو دیتے ہو، اگر ان سے کوئی خطا ہو جائے تو درگزر کرنا، یاد رہے کہ کل مسلمان آپ میں بھائی ہیں، دیکھو کوئی ایک دوسرے کی حق تلفی نہ کرے۔“

الوداعی حج

کوئی ایسی طرز طواف تو، مجھے اے چراغِ حرم بتا
کہ تیرے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشتِ سمندری
کرم اے شہِ عرب و عجم ﷺ، کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغِ سکندری

حقیقت میں آنکھ کو اب اپنی روانگی سامنے نظر آرہی تھی، چنانچہ آپ ﷺ نے حرم

محترم کے درشن کیلئے الودعی حج کا ارادہ کیا اور معہ قافلہ مدینہ سے مکہ کو روانہ ہو پڑے۔ وہ شخص جس نے تین روز ایک غار میں بسیرا کر کے اپنی جان بچائی تھی۔ وہ بشر جسے مشرکان مکہ نے اچھوت قرار دے دیا تھا۔ وہ انسان جس کا مکہ کے شہر میں داخلہ بند کر دیا گیا تھا۔ وہ آدمی جسے قتل کرنے کے لیے سو سواونٹ اور ہزار ہزار سکہ چاندی کے انعام رکھے جاتے تھے۔ وہ بیکس جسے اینٹ پتھر مار مار کر لوگ اس کے جسم سے خون بہا دیا کرتے تھے۔ یہ ہے وہ انسان جو آج مکہ حج کرنے کو جا رہا ہے اسی مکہ میں آج اس ہی کے پیچھے سوالا کھ عابد میدان عرفات میں سر جھکائے آنکھیں نوائے ہاتھ باندھے، حق کے حضور میں کھڑا ہے۔ شاہ و گدا با امتیاز ایک ہی وضع کا بلا سلا کپڑا اوڑھے، ایک ہی خیال کے پابند، ایک ہی خدا واحد کے حضور میں، ایک ہی جگہ میں سر جھکائے کھڑے ہیں، یہ ہے مسئلہ مساوات اور یہ ہیں اسلام کی برکات۔

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

باب 23 کمبلی والصلی اللہ علیہ وسلم

رسول کریم ﷺ نے جو گہرا اثر اپنے امیر و غریب پیروؤں پر چھوڑا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کے بعد داخل اسلام ہوئے وہ بھی اسی رتبہ میں رنگے گئے اس عشق کے اظہار میں مسلمانوں نے بہت سے بیٹھے پیارے نام اپنے ہادی ﷺ کے لیے تجویز کیئے ہیں۔ بعض ان سے ایسے بھی ہیں کہ جن ناموں کے ساتھ قرآن شریف میں خود حبیب خدا ﷺ کو مخاطب کرتا ہے۔ ایک نام سے جو سب سے زیادہ دلکش ہے۔ وہ کمبلی والا ہے۔ قرآن میں ایک صورت ہے جس کا نام ”مزل“ ہے۔ یعنی کمبلی اوڑھنے والا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر کمبلی ہی اوڑھا کرتے تھے۔ چند ابتدائی آیتیں اس صورت کی حسب ذیل درج ہیں۔

”یا ایہا المزل لا قم الیل الا قلیلاً لا نصفہ او انقص منه قلیلاً او زد علیہ و رتل القران ترتیلاً لا انا سلفی علیک قولاً ثقیلاً لا ان ناشئ الیل ہی اشد و طا و اقوم قلیلاً ان لک فی النہار سبحاً طویلاً“

ترجمہ: اے کمبلی اوڑھنے والے! رات کو (عبادت کے لیے) کھڑا ہو، مگر تھوڑا آدھا وقت یا اس سے کچھ کم یا ذرا زیادہ اور (عبادت کرتے وقت) قرآن کو ترتیل کے ساتھ

پڑھ۔ ہم جلد وزن دار پیام تجھ پر نازل کرنے کو ہیں۔ رات کا جاگنا بے شک کار آمد اور (روحانی ترقی کے لیے) موزوں ہے۔ (مگر ساتھ ہی) تجھے دن میں بھی بہت سے فرائض ادا کرنے ہیں۔

کمبلی والے صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام دنیا کو پہنچایا ہے۔ اصول تو ازن اس کی جان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نام شاعروں اور صوفیوں کو بہت پسند آیا ہے اور جا بجا ان کی تحریر و تقریر میں اس طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔

کمبلی اوڑھنے میں غالباً ایک بار یک رمز پوشیدہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر عمر افلاس میں گزاری۔ آخر میں جب فوجوں کی سپہ سالاری اور سیاسی حکمرانی سے واسطہ پڑا تب بھی آپ نے اپنے لیے فقر ہی کو پسند کیا اور غریبوں اور مسکینوں ہی کی طرح زندگی ویسے کی ویسے ہی قائم رکھی۔ اگرچہ کئی ایک بادشاہوں نے بھی اب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غامی کو قبول کیا ہوا تھا۔ مگر آپ نے فقر دائمی اپنا فخر سمجھا الفقر فخری (فقر میرا فخر ہے) یہ ایک مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

باب 24 تبلیغ حق

آپ ایک روز کوہ صفا پر تشریف لے گئے وہاں مکہ والوں کو اور قرب و جوار کے قبیلوں کو بلوایا اور پیغام حق انہیں سنایا، آپ نے ان سے فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم خدا پر ایمان لاؤ گے تو نفع پاؤ گے ورنہ عاقبت کو پچھتاؤ گے، تم پر واضح رہے کہ اسلام کسی پر جبر تشدد و انہیں رکھتا۔ تم کو راہ مستقیم بتانا میرا فرض عین ہے کیونکہ میں پیغمبر خدا ہوں اور تمہارے لیے یہ پیغام خدا سے لایا ہوں میرا کام تمہیں راستہ اسلام بتانے کا ہے۔ اس پر چلنا یا نہ چلنا تمہارا اپنا نام ہے جو تم گمراہ رہو گے تو اے لوگو اس کی جواب دہی ہوگی تو تم سے تم اپنی آنکھیں کھول کر خود دوراندیشی سے جانچ بھال کر لو کہ تمہیں بدستور مٹی کی مورت اور کاٹھ کا بت پوجن کرنا ہے یا خلقت کے خالق کی پرستش کرنی ہے۔ اے لوگو! اپنا نفع نقصان دیکھ کے قدم رکھو، تم نے اب بھی نہ دیکھا تو پھر کب دیکھو گے۔

وہ فجر عرب زیب محراب و منبر
تمام اہل مکہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسب فرمانِ داور
سوئے دشت اور چڑھ کے کوہ صفا پر
یہ فرمایا سب سے کہ اے آل غالب
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب

کہا تیری ہر بات کا یاں یقین ہے
 کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے
 کہا گر مری بات یہ دل نشیں ہے
 تو سن لو خلاف اس میں اصلاً نہیں ہے
 کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
 ذرو اس سے جو وقت ہے آنے والا
 وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ بادی
 عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
 نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی
 اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
 پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
 کہ گونج اٹھے دشت و جبل نامِ حق سے
 کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق
 زباں اور دل کی شہادت کے لائق
 اسی کا ہے فرمان اطاعت کے لائق
 اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
 لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
 جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ
 نصاریٰ نے جس طرح کھایا ہے دھوکا
 کہ سمجھے وہ عیسیٰ کو بیٹا خدا کا

مجھے تم سمجھنا نہ زہار ایسا
 میری حد سے رتبہ بڑھانا نہ میرا
 سب انساں ہیں جس طرح واں سرقلندہ
 اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ
 بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
 نہ کرنا میری قبر پر سر کو خم تم
 نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
 کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
 مجھے دی ہے بس حق نے اتنی بزرگی
 کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور اپنی بھی

افضل کلام

اسی روز رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ میں نے آج تک اپنی زبان سے کہا
 ہے یا جو کچھ مجھ سے پہلے نبی خدا کے کہے گئے ہیں ان سب میں سے افضل کلام ایک ہی ہے جس
 کے برابر نہ کوئی کلام ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا اور وہ ہے

”لا الہ الا اللہ وحدہ ، لا شریک لہ ، لہ الملک ولا الحمد وهو

علی کل شیء قلیب“ ”کہ خدا ایک ہے، اس کا ثانی کوئی نہیں ہے ملک نامہ اس کا ہے،

سلطنت دنیا اس کی ہے، ہمہ طاقت وہی ہے اور سزاوار ثناء وہی ہے“

ملکا ذکر تو گویم کہ تو پاکی و خدائی

زوم من بجز آن رہ کہ تو آن رہ بنمائی

ہمہ درگاہ تو جویم ہمہ درکار تو پویم

ہمہ توحید تو گویم کہ بتوحید سزائی
 تو خداوند یعنی تو خداوند یساری
 تو خداوند زمینی تو خداوند سمائی
 تو زن و جفت نہ جوئی تو خور و خفت نخواہی
 احدا بے زن و جفتی ملکا کام روائی
 نہ بدی خلق تو بودی نہ بود خلق تو باشی
 نہ تو خیزی نہ نشینی نہ تو کا ہی نہ فزائی
 تو رحیمی تو کریمی سمعی تو بصیری
 تو معزی تو مدلی ملک العرش بجائی
 ہمہ راعیب تو پوشی ہمہ راعیب تو دانی
 ہمہ را رزق رسائی کہم تو جودی و عطائی
 بری از گفتن و خوردن بری از تہمت مردن
 بری از بیم و امید بری از رنج و بانہی
 تو علیمی تو حکیمی تو خبیری تو بصیری
 تو نمایندہ فضلی تو سزوارِ خدائی
 نتوں وصف تو گفتن کہ تو در وصف نہ گنجی
 نہ توان شرح تو کردن کہ تو در شرح نیائی

ترجمہ:

1: اے شہنشاہ میں تیرا ذکر کرتا ہوں کہ تو پاک ہے اور خدا ہے میں اس راستے سے سوا کسی اور راستے پر چل ہی نہیں سکتا۔ جس پر تو نہ چلائے۔

- 2: میں تیرا آستانہ ہی تمام تر ڈھونڈتا ہوں اور تیرے ہی کام میں رہتا ہوں اور تمام تیری ہی توحید کہتا ہوں کہ تجھ ہی کو توحید جتی ہے۔
- 3: تو ہی دائیں اور بائیں اطراف کا خدا ہے تو ہی زمین و آسمان کا محبوب ہے۔
- 4: تو عورت اور جوڑا نہیں ڈھونڈتا تو کھانے اور سونے کو نہیں چاہتا۔ اے بغیر عورت اور جوڑے کے خدائے واحد اور اے ہمیشہ قائم و دائم شہنشاہ!
- 5: جب مخلوق نہ تھی تو تو تھا اور جب مخلوق نہ ہوگی تو تو ہوگا تو نہ اٹھتا ہے نہ بیٹتا ہے نہ بڑھتا ہے نہ بڑھتا ہے۔
- 6: تو کریم ہے تو کریم ہے تو سننے والا ہے تو دیکھنے والا ہے تو ہی عزت دینے والا اور توحید ہی ذات دینے والا ہے۔ درحقیقت تو ہی شہنشاہ عرش ہے۔
- 7: تو سب کے عیب جانتا ہے اور پھر انہیں چھپاتا بھی ہے تو سب کو رزق پہنچاتا ہے تو ہی کریم کرتا ہے تو ہی عطا فرماتا ہے۔
- 8: تو کھانے اور سونے سے آزاد ہے تو مرنے سے بھی پاک ہے تو امید یاس سے بھی بری ہے اور غم و اندوہ اٹھانے سے بھی پاک ہے۔
- 9: تو جاننے والا ہے تو حکیم ہے تو صاحب خبر ہے اور صاحب نظر ہے تو ہی فضل کا حق دار ہے تو ہی خدائی کے لائق ہے۔
- 10: تیری حمد کہہ سکتا ممکن نہیں ہے کہ تیری ذات حمد میں مانا نہیں سکتی۔ مجھے تفصیل سے بیان کرنا بھی ممکن نہیں کہ تو کسی تشریح میں نہیں آسکتا۔

باب 25

وقتِ رحلت

نبی اللہ ﷺ کی عمر اب ۶۳ برس کی ہو چکی تھی اور ہجرت کا گیارہواں سال تھا کہ رحلت کی نوبت آپؐ پہنچی۔ دفعۃً بخار نے آگھیرا تن سے تپ کی تپش کے ایسے لپکے اٹتے تھے کہ جسم چھوٹا مشکل ہو گیا تھا۔ لیکن باوجود نقاہت و ضعف کے آپؐ نے کوئی نماز قضا نہ کی تھی اور پانچوں وقت مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے رہے۔ جب تین دن کوچ میں روئے تو اعضاء بالکل ہی جواب دینے لگ گئے۔ آپؐ کو سہارے سے بھی مسجد تک پہنچنا اب کٹھن ہو گیا تھا۔ آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو اپنی جگہ امام مقرر کیا اور خود ان کے پیچھے جماعت میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔۔۔۔۔

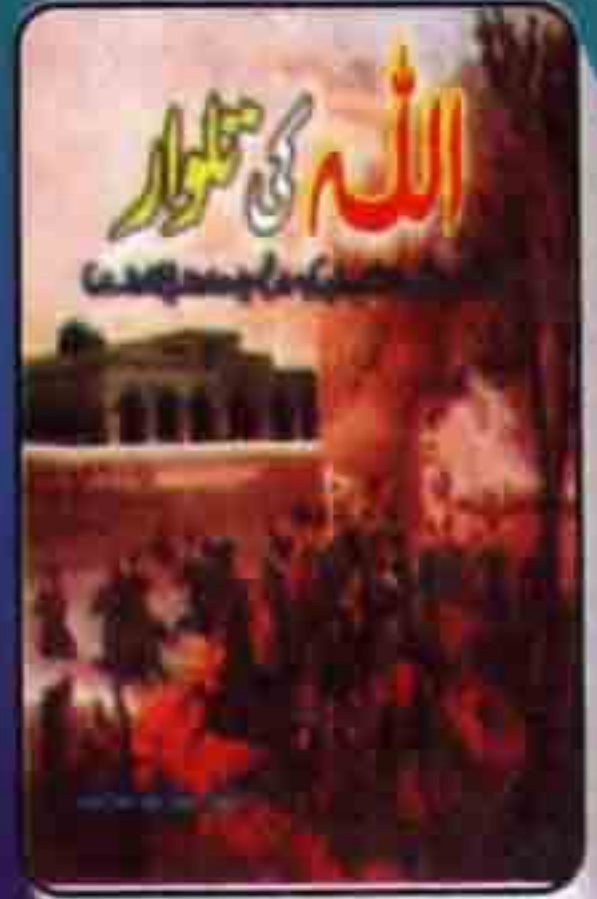
”اے لوگو! اگر میں نے تم سے کسی پر کوئی زیادتی کی ہو، تو مجھے معافی دو تا کہ مجھ سے آگے گرفت نہ ہو اور میں اس کی جناب میں سرخرو ہو کے جاؤں، اے لوگو! اگر میں نے کسی کو سخت ست کہا ہے تو مجھ سے درگزر کرو، اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پشت پر ناجائز حکم تازیانہ لگانے کا دیا ہے تو اس کے لیے میری پشت موجود ہے اے لوگو! اگر میں نے کسی کا کوئی قرض ادا نہ کیا ہو۔ تو اب وقت ہے وہ مجھ سے لے لے۔ اے لوگو! اگر مجھ سے کسی کو ایذا پہنچی ہو تو میں اس وقت اس کی معافی کے لیے حاضر ہوں، اے لوگو! مجھے معافی دو، تا کہ نئے قیامت کا مواخذہ نہ رہے“

بسترِ رحلت پر جان کنی کی حالت میں آپؐ کے لب مبارک کو حرکت میں دیکھ کر بعض اصحاب نے پوچھا کہ یا نبی اللہ ﷺ آپؐ کیا فرما رہے ہیں۔ آپؐ نے کہا۔ ”نہ لو میرے

حال پر چھوڑ دو کیونکہ جس عالم میں اب میں چلا جا رہا ہوں، وہ اس عالم سے بہت بے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔

آخری کلمہ جو نبی ﷺ کی زبان سے اصحاب بن سکے وہ یہ تھا۔ بل الرفیق الاعلیٰ
 بل الرفیق الاعلیٰ (اعلیٰ دوست کے پاس، اعلیٰ دوست کے پاس) حبیب نہ نبی ﷺ اپنے
 ”اعلیٰ دوست“ کی جانب ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری مطابق ۸ جون ۶۳۲ عیسوی پر۔ روز بوقت
 دوپہر اس دنیا کو ترک کر کے راہی ملک عدم ہو گئے۔ طائر روج پاک جسم خانی سے پرواز کر
 گیا۔

ادارہ کی دیگر اسلامی کتب



شاہد پبلی کیشنز اینڈ بک سیلرز

64 چوہدری سنٹر ملتان روڈ لاہور۔ فون: ۷۴۱۹۹۶۳

E-mail : shahidpublications@hotmail.com

Web : www.shahidpublications.com